جلد 3 / شمارہ 7

تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ

جولائی ۲۰۲۳ء

ماہنامہ

# مفاہیم

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

- معاہدۂ لوزان: پس منظر اور پیش منظر
- کرپٹو کرنسی: وعدہ جو پورا نہیں ہوسکا
- عاشورا کے دن اہل وعیال پر وسعت

لیتفقهوا فی الدین

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین


ماہ نامہ

# مفاہیم

کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ



سرپرستِ اعلی

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب مدظلہ

مدیر

صوفی جمیل الرحمن عباسی

نائب مدیر

مولانا حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- مولانا سید اسامہ علی
- مولانا ابرار حسین
- مولانا عابد علی بھٹی



فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مضامین


| | | | |
|---|---|---|---|
| نعت | سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل | محسن کاکوروی | ۴ |
| اداریہ | معاہدۂ لوزان: پس منظر اور پیش منظر | مدیر | ۷ |
| درسِ قرآن | کتابِ قیم: مومنین کے لیے دستورِ حیات | مولانا محمد اقبال | ۱۶ |
| درسِ حدیث | یومِ عاشورا کا روزہ | ابنِ عباس | ۲۳ |
| مقالات | اصلاحی مجلس | مولانا مجد القدوس خبیب رومی | ۲۸ |
| مقالات | شوکتِ سنجر و سلیم | مولانا حماد احمد ترک | ۳۵ |
| مقالات | بیت المقدس کا تاریخی خاکہ | صوفی جمیل الرحمٰن عباسی | ۴۴ |
| مقالات | کرپٹو کرنسی: وعدہ جو پورا نہیں ہو سکا | ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی | ۵۱ |
| یسئلونک | عاشورا کے دن اہل و عیال پر وسعت | دار الافتاء، فقہ اکیڈمی | ۵۷ |

## نعت

محسن کاکوروی (۱۸۳۷۔۱۹۰۵ء)

# سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

محسن کاکوروی یوں تو نعت گو شاعر کی حیثیت سے معروف ہیں لیکن انھیں خاص شہرت ان کے قصیدۂ لامیہ سے ملی۔ اس قصیدے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں نعتِ رسول ﷺ کے لیے ہندوستانی ثقافت اور علامات کو بطورِ تشبیہ استعمال کیا گیا تھا۔ اس اعتبار سے یہ قصیدہ منفرد حیثیت اختیار کر گیا۔ بعض ناقدین نے اس پر محسن کاکوروی کی گرفت بھی کی لیکن عمومی طور پر محسن کی اس کاوش کو سراہا گیا اور حسن عسکری جیسے ناقد بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے: ”نعتِ رسول میں مناسباتِ کفر کا استعمال غیر مشروع ہے مگر محسن کا قصور معاف ہو گیا بلکہ عیب ہنر ٹھہرا“۔ (کلامِ محسن کاکوروی ایک تنقیدی مطالعہ، نعت رنگ، شمارہ نمبر ۲۷، مقالہ نگار: سلیم شہزاد) اسی قصیدے کے بارے میں ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں: ”ایسی نرالی تشبیب آپ کو اردو کے کسی شاعر کے ہاں نہیں ملے گی۔ ذوقؔ و سوداؔ قصیدے کے بادشاہ ہیں لیکن ان کی کسی تشبیب میں ایسی جدت اور زور نہیں۔“ (لکھنؤ کا دبستانِ شاعری)

اس طویل نعتیہ قصیدے کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصّل کا یہی ہے مجمل

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قِطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
صرف تیرا ہی بھروسا، تری قوت، ترا بل

ہو مرا ریشۂ امّید وہ نخلِ سر سبز
جس کی ہر شاخ میں ہو پھول، ہر اک پھول میں پھل

آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تا دمِ مرگ
شکل تیری نظر آئے مجھے، جب آئے اجَل

روح سے میری کہیں، پیار سے یوں عزرائیل
کہ مری جان مدینے کو جو چلتی ہے تو چل

دمِ مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا تری
فکرِ فردا تُو نہ کر دیکھ لیا جائے گا کل

یادِ آئینۂ رُخسار سے حیرت ہو مجھے
گوشۂ قبر نظر آئے مجھے شیش محل

میزباں بن کے نکیرین کہیں: گھر ہے ترا
نہ اُٹھانا کوئی تکلیف، نہ ہونا بے کل

رُخِ انور کا ترے دھیان رہے بعدِ فنا
میرے ہمراہ چلے راہِ عدم میں مشعل

حذف ہوں میرے گناہانِ ثقیل اور خفیف
آئیں میزاں میں جب افعالِ صحیح و معتل

مری شامت سے ہو آراستہ گیسوے سیاہ
عارضِ شاہدِ محشر ہو اگر حُسنِ عمل

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ، یہ غزل

کہیں جبریل اشارے سے: ہاں! بسم اللہ
سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

*****

اداریہ

مدیر، ماہ نامہ مفاہیم، کراچی

# معاہدۂ لوزان: پس منظر اور پیش منظر

جنگِ عظیم اول میں اتحادی افواج نے بعد کی اصطلاح کے مطابق محوری قوتوں (جرمنی، ہنگری، بلغاریہ اور ترکی) کو شکست سے دوچار کیا۔ ترکوں کی اتحادیوں کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ، یونان کی بندرگاہ مدروس میں ایک بحری جہاز پر ۴/اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ہوا۔ جس میں ترکوں کی طرف سے وزیر بحریہ رؤف بے جبکہ اتحادیوں کی طرف سے ایڈمرل سمر سیٹ نے دستخط کیے۔ یہ ایک ذلت آمیز معاہدہ تھا۔ اس کی پانچویں شق کے مطابق اتحادیوں کو حق حاصل ہو گیا کہ وہ جنگی حکمتِ علمی کے تحت جس علاقے پر چاہیں قابض ہو جائیں۔ چنانچہ انھوں نے نومبر ۱۹۱۸ء میں قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ اب یہاں کے حاکم سلطان محمد السادس وحید الدین خان کی حیثیت وہی تھی جو کبھی بہادر شاہ ظفر کی دلی میں تھی۔ ۱۹۱۹ء میں عثمانی فوج کی نویں بریگیڈ کے انسپکٹر جنرل مصطفیٰ کمال نے سلطان سے بغاوت کرتے ہوئے قوم پرست تحریک کی بنیاد رکھی جس کو انقرہ میں مقبولیت حاصل ہوئی اور یہاں نیشنل گرینڈ اسمبلی قائم کر کے ایک متوازی حکومت قائم کر لی۔ ۱۹۲۰ء میں سلطنتِ عثمانیہ اور اتحادیوں کے درمیان معاہدہ سیورے (سیفرے) طے پایا چونکہ قسطنطنیہ پر اتحادی قابض تھے اس لیے انھوں نے ایک ظالمانہ معاہدہ کر کے ترکی کو اس میں جکڑ لینا چاہا۔

ترکوں کی طرف سے بدنامِ زمانہ معاہدہ سیورے پر فلسفی و مصنف رضا توفیق (تاسیسی رکن جمعیت اتحاد و ترقی) داماد فرید پاشا (وزیر اعظم) محمد ہادی پاشا (سیاست دان، رکن جمعیت آزادی و ایتلاف، لبرل پارٹی آف ترکی) اور رشید خالص نے دستخط کیے۔ اس معاہدے میں ایک طرف تو عثمانی فوج کی تعداد کو پچاس ہزار

تک محدود کر دیا گیا۔ دوسری طرف اسے مشرقی ممالک یعنی حجاز و عراق وغیرہ سے محروم کیا گیا۔ تیسری طرف اسے بحیرۂ روم کے جزائر کے ساتھ ساتھ، اناطولیہ، ازمیر اور اس کی بندرگاہ سے بھی محروم کر دیا گیا۔ قسطنطنیہ نے یہ معاہدہ تو تسلیم کر ہی لیا تھا لیکن انقرہ کی حکومت اور مصطفیٰ کمال نے اس معاہدے کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے استقلالِ وطن کی تحریک کا اعلان کر دیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک کے لبرل اور دین مخالف اقدامات سے تمام تر اختلاف کے باوجود؛ اس موقعے پر اس نے جراَتِ رِندانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اناطولیہ اور دیگر علاقوں کے دفاع کا اعلان کیا جہاں یونانی اور دیگر افواج پیش قدمی شروع کر چکی تھیں۔ اس کے نتیجے میں جنگِ آزادیٔ ترکی شروع ہوئی اور اتاترک نے کمال بہادری دکھاتے ہوئے یونانیوں کو اناطولیہ اور دوسرے ترک علاقوں سے مار بھگایا۔

سیورے معاہدے کی رو سے جو علاقے عالمی استعمار ہتھیانا چاہتا تھا وہی مصطفیٰ کمال اور ان کے ساتھ شریک ترکوں نے چھین لیے تو معاہدے سیورے گویا از خود ختم ہو گیا۔ اب اتحادی دوبارہ مذاکرات کی طرف آئے۔ اس بار مذاکرات کی میز پر عثمانیوں کی جگہ جدید نیشنل گرینڈ اسمبلی تھی۔ دونوں طرف کے مندوبین سوئٹزرلینڈ کے شہر لوزان میں جمع ہوئے اور ۲۴ جولائی ۱۹۲۳ء کو ایک معاہدے پر دستخط کیے جو لوزان کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کو معاہدۂ لوزانِ ثانی بھی کہا جاتا ہے تاکہ اسے معاہدۂ لوزان (معاہدۂ اوشی) سے ممتاز کیا جا سکے جو ۱۹۱۲ء میں لیبیا کے محاذ پر اٹلی ترکی جنگ کے خاتمے پر ہوا تھا جس کی رو سے ترکی نے بن غازی اور طرابلس سے پسپائی اختیار کی تھی اور اطالیہ نے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس معاہدے کے بعد ۴/اکتوبر ۱۹۲۳ء کو اتحادیوں نے قسطنطنیہ سے انخلا مکمل کیا اور ۶/اکتوبر کو انقرہ کی فوجیں یہاں داخل ہوئیں۔ ۲۹/اکتوبر کو نیشنل گرینڈ اسمبلی نے جمہوریہ ترکی کے قیام کی قرارداد منظور کی۔

معاہدۂ لوزان کی سوویں سالگرہ کے نزدیک آنے کے ساتھ، اس کے بارے میں کچھ خوش کن نعرے بھی سامنے آتے جا رہے ہیں۔ ان چہ میگوئیوں کے خاتمے کی غرض سے مصر کے ایک تحقیقی سہ ماہی مجلے مجلة المعهد المصري کے ایک محقق جناب عادل رفیق صاحب نے اس معاہدے کو انگریزی سے عربی

میں منتقل کیا۔ یہ ترجمہ ۲۰۲۰ء میں شائع ہوا یعنی جب کہ معاہدے کو ستانوے سال گزر چکے تھے۔ دیباچہ میں عادل رفیق صاحب نے یہ تصریح کی کہ لوزان کے حوالے سے پھیلی ہوئی چہ میگوئیوں نے مجھے ترجمے کی طرف راغب کیا تاکہ لاعلمی میں کوئی غلط موقف اختیار نہ کرے۔ ویب سائٹس پر دستیاب معاہدے کے انگریزی متن اور اس عربی ترجمے ہر دو کی مدد سے اس معاہدے کا ایک خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد قارئین کے لیے اس معاہدے کے بارے میں پھیلی خبروں کو خود بھی سمجھنا آسان ہو گا اور کچھ معروضات ہم بھی پیش کریں گے۔

معاہدے کے دیباچے میں ۱۹۱۴ء سے جاری عالمی جنگ کے خاتمے، امن کے قیام، ایک دوسرے کی آزادی اور خود مختاری کے احترام اور باہم تجارت کے فروغ کی ضرورت بیان کی گئی۔ اس کے بعد فریقِ اول (اتحادی ملکوں) برطانیہ، فرانس، اٹلی، جاپان، یونان، رومانیہ، سربیا، کرواتیا، سلووینیا اور ان کے مندوبین کے نام دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد فریقِ ثانی گورنمنٹ آف گرینڈ نیشنل اسمبلی آف ترکیہ کے مندوبین عصمت پاشا اینونو، ڈاکٹر رضا نور بک، حسن بک کے نام دیے گئے ہیں۔

پہلا حصہ آرٹیکل ایک سے پینتالیس تک ہے جو سیاسی امور، اراضی کی تقسیم اور اقلیتوں کے حقوق وغیرہ کے بارے میں ہے۔ ابتدائی شقوں میں ترکی کی دیگر ملکوں مثلاً بلغاریہ، یونان، سوریا اور عراق کے ساتھ سرحدوں اور اس کے لیے باؤنڈری کمیشن اور اس کے متعلق ضابطے اور ایک دوسرے کی سرحدوں کے احترام کا عہد کیا گیا ہے۔ اسی حصے میں بحرِ ایجہ کے جزیروں کی ملکیت و سیادت طے کرتے ہوئے امبروس، ٹینیڈوس اور ریبٹ جزائرِ ترکی کو دیے گئے۔ جبکہ لیمنوس، ساموتھریس، مائیٹیلین، چیوس، ساموس اور نیکاریا کے جزائر غیر مسلح اور غیر فوجی رکھنے کی شرط پر یونان کی تحویل میں دیے گئے۔ جب کہ اسٹامپالیا (اسٹراپالیا) ڑوڈس (روڈوس) کالکی (خالکی) اسکارپینٹو، کاسوس (کاسو) پسکوپیس، ٹیلوس، میسیروس (نیسیروس) کلیمنوس، لیروس، باتموس، لیبسوس (لیبسو) سیمی، وقوس، اور کاسٹیلو ریزو جزائر پر اٹلی کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔ (جنگِ عظیم اول کے بعد اتحادی طاقتوں نے معاہدۂ پیرس کے تحت یہ جزیرے یونان کو ان کی غیر فوجی حیثیت برقرار رکھنے کی شرط پر دے

دیے۔ ان میں بہت سے جزیرے ترکی سے نزدیک اور یونان سے دور واقع ہیں۔ پچھلے عرصے میں یونان معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہاں فوجی سرگرمیاں اور جنگی مشقیں کر چکا ہے اور یہی بات اب دونوں ریاستوں کے درمیان وجہِ نزاع ہے)۔ ترکی کی دو اہم سمندری گزر گاہوں آبنائے باسفورس آبنائے درِ دانیال کے پانیوں اور فضاؤں غیر مسلح و غیر فوجی بین الاقوامی علاقہ قرار دیا گیا۔ دوسرے ملکوں کو یہاں سے بغیر کسی ٹیکس کے گزرنے کا اختیار دیا گیا البتہ راہداری کے نام سے معمولی رقم ترکی کو لینے کی اجازت دی گئی۔

اس حصے میں ترکی کو پابند کیا گیا کہ وہ مصر، سوڈان، لیبیا اور قبرص سے دست بردار ہو جائے گا، نئے طے شدہ حدود سے باہر کسی بھی خطے پر اپنا کسی قسم کا حق نہ جتلائے گا اور اپنے جملہ حقوق سے ہر طرح سے دست بردار ہو کر اپنی حدود سے باہر سیاسی، قانونی یا انتظامی معاملات میں اپنا کوئی اختیار استعمال نہیں کرے گا اور یہ کہ اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کے باہمی روحانی تعلق پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

دوسرا حصہ آرٹیکل چھیالیس سے تریسٹھ تک مالی معاملات کے بارے میں ہے۔ اس حصے میں عثمانی سلطنت سے الگ ہونے والی ریاستوں کے ذمے عثمانی قرضوں کا ایک حصہ لگایا گیا اور وصولی کے ضوابط بیان کیے گئے۔ تمام ممالک کو جنگی تاوان وغیرہ سے بری قرار دیا گیا۔ ترکیہ سے الگ ہونے والی ریاستوں کو سرکاری عثمانی املاک کی ملکیت کا حق بغیر کسی معاوضے کے دیا گیا۔ عوامی ملکیت کے بارے میں بھی اصول طے کیے گئے۔

تیسرا حصہ: آرٹیکل چونسٹھ تا سو پر مشتمل ہے اور اس میں چھے ذیلی قسمیں ہیں۔ اس میں مختلف فوجوں کی طرف سے لوٹی گئی جائیدادوں کی واپسی اور اس کے دعوے اور ثبوت کے طریقے بیان کیے گئے ہیں اور انشورنس، تجارت، صنعت و حرفت اور ادب و فن کے ملکیتی حقوق، مقدمات کی سماعت اور فیصلوں کے طریقے، سیکرٹیریت، سیکرٹری، دفتر اور دستاویزات اور ارکان کی تنخواہوں کی برابر تقسیم وغیرہ کے بارے میں تفصیلات ہیں۔

چوتھا حصہ آرٹیکل ایک سو ایک تا ایک سو اٹھارہ پر مشتمل ہے۔ یہاں ملکوں کے درمیان آمد و رفت اور اتصالات، امورِ تجارت، امورِ صنعت، ریلوے، ٹیلی گراف، صحت و صفائی، ملازمین اور بالخصوص بحری

ملازمین کے حقوق کے تحفظ اور مقدس مقامات کے زائرین کو سفری اور صحت کی سہولیات پر بات کی گئی ہے۔

پانچواں حصہ آرٹیکل ایک سو انیس تا ایک سو تینتالیس پر مشتمل ہے۔اس میں جنگی قیدیوں کی واپسی، جنگی مجرموں کی سزاؤں، فوجیوں کی قبروں کی نشاندہی، شہیدوں کی یادگاروں کا احترام برقرار رکھنے، اور دوسرے ملکوں کو ان تک رسائی اور سہولیات، قسطنطنیہ پر قبضہ (نومبر 1918 تا اکتوبر ١٩٢٣ء) کرنے والی طاقتوں کے اس عہد میں صادر ہونے والے فیصلوں کو تحفظ دیا گیا ہے۔ آرٹیکل ١٤٣، اس معاہدے کی آخری شق ہے جو معاہد حکومتوں کی طرف سے معاہدے کی تصدیق اور دستاویز کے ریکارڈ اور کاپی وغیرہ کے بارے میں ہے۔یہاں قرار دیا گیا ہے کہ معاہدے کی اصل کاپی حکومتِ فرانس کے حوالے کی جائے گی جو اس کی نقول تیار کر کے متعلقہ ممالک کو فراہم کرے گا۔ یہ تو تھا معاہدے کا خلاصہ اب ہم ان اشکالات کی طرف آتے ہیں جو عوام میں پھیلے ہوئے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ترکی خلافت کا اعلان کرنے جا رہا ہے اور وہ اپنے تمام علاقے دوبارہ حاصل کر لے گا جو کبھی سلطنتِ عثمانیہ کے جھنڈے تلے جمع تھے۔ جہاں تک خلافت کی بات ہے تو اپنے دین دوست اقدامات کے باوجود اردوغان کو ابھی تک سیکولر آئین کے تحفظ کا عہد کرتے ہوئے حلف اٹھانا پڑتا ہے تو وہ خلافت کا دعوی کہاں سے کرے گا اور نہ ہی کسی دعوے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک یہ کہنا کہ ترکیہ اپنے سابقہ مقبوضات دوبارہ حاصل کر لے گا تو یہ معاہدے کے خلاف بھی ہے اور خلافِ قیاس بھی کہ اول تو ترکی نئی سرحدیں تسلیم کر چکا ہے، لیکن اگر وہ اس کے خلاف کرنا بھی چاہے تو یہ کسی تیسری عالمی جنگ کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے کہ سلطنتِ عثمانیہ سے الگ ہونے والے ممالک کوئی ایک دو نہیں، چالیس کے قریب ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس معاہدے میں ترکی پر پابندی لگائی گئی تھی کہ وہ اپنی زمینوں میں سے گیس اور پٹرول کے لیے ڈرلنگ نہیں کر سکتا۔ یہ بات بھی خلافِ حقیقت ہے، ایسی کوئی دفعہ معاہدے میں موجود نہیں بلکہ ١٩٢٦ء کے ترکی قوانین میں ڈرلنگ کے متعلق ضابطے اور بعد میں ترک پٹرولیم کارپوریشن کا قیام اور اس کی ڈرلنگ اور پھر کئی مزید کمپنیوں کا اس میدان میں متحرک ہونا اس طرح کے دعووں کے بطلان کو کافی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ سو سال میں از خود ختم ہو جائے گا یا اس معاہدے کی کچھ شرائط پوشیدہ

تھیں۔ تو معاہدے کی شقوں سے ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ کسی ٹائم فریم کا پابند نہیں ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ معاہدہ آپ سے آپ ختم ہوجائے گا، یہ ایک غلط رائے ہے۔ مزید یہ کہنا کہ اس کی کچھ شرائط پوشیدہ تھیں تو یہ بات بھی ٹھیک نہیں۔ دس ملکوں کے نمائندوں کے سامنے ایک چیز کا لکھا جانا اور پھر ترکی پارلیمنٹ کا اس کی توثیق کرنا پوشیدہ شقوں کے امکان کو رد کرتا ہے اور وہ معاہدہ اتفاقی اور قانونی کہلا ہی نہیں سکتا جس میں ایسے سقم پائے جائیں۔ چنانچہ پچھلی ترک اسمبلی کے اسپیکر مصطفیٰ شنطوب نے ایک صحافی کے جواب میں صاف کہا کہ یہاں نہ کوئی پوشیدہ شق ہے اور نہ ہی یہ معاہدہ کسی وقتِ معین کے لیے ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ترکی اتنا مضبوط ہوچکا ہے کہ وہ لوزان معاہدے سے صاف مکرنے والا ہے تو یہ بات آدھی درست کہلا سکتی ہے۔ معاہدے کا انکار تو ایک عجیب اور خلافِ عقل و شرافت بات ہے۔ البتہ ایک دوسری صورت ممکن ہے لیکن اس سے پہلے لوزان کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔ معاہدۂ لوزان ایک ہارے ہوئے کمزور فریق کا اقرار نامہ تھا جو اس نے بہت سارے مضبوط فاتحین کے سامنے بحالتِ مجبوری کیا تھا۔ کسی فریق کی جتنی کمزوری ختم ہوتی جائے گی اتنی ہی اس کی مجبوری بھی گھٹتی جائے گی۔ عالمی سیاست اور معاہدات میں طاقت کا عنصر کبھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ترکی ہی کی تاریخ سے مثال دیں تو معاہدۂ سیفرے یا سیورے کے موقعے پر جو کہ لوزان سے بھی ظالمانہ تھا، تختِ قسطنطنیہ کمزور بلکہ اتحادیوں کا اسیر تھا تو اسے ماننا پڑا۔ لیکن اس موقعے پر چونکہ مصطفیٰ کمال پاشا اتحادیوں کی گرفت سے باہر تھا اور اس نے ہمت دکھا کر اتحادیوں کو اناطولیہ وغیرہ کی طرف شکست سے دوچار کیا تو معاہدہ سیورے کی دھجیاں خود سے اڑ گئیں۔ کسی نے اس سے تقاضا نہیں کیا کہ صاحب ہمارا معاہدہ ہوچکا خدارا یوں نہ کرو۔!!

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

حقیقت یہ ہے کہ اب ترکی ۱۹۲۳ء جیسا کمزور نہیں رہا۔ اقتصادی مسائل کے باوجود، صنعتی، تکنیکی اور سیاسی میدان میں وہ مضبوط ہوتا جارہا ہے۔ جتنا وہ مضبوط ہوگا اتنی ہی اس کی مجبوری کم ہوگی اور اتنا ہی وہ

ظالمانہ لوزانی شیطانی چنگل سے آزاد ہو تا جائے گا۔ بالکلیہ نہیں البتہ اس کی ظالمانہ شقوں سے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ ترکی اس کی بعض دفعات پر نظر ثانی کرنے کا کہہ سکتا ہے اور اگر خارجی اور عالمی حالات اس کے حق میں ساز گار ہوئے تو یہ انہونی نہیں ہے۔ ترکی کی تاریخ سے اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ جب ۱۹۳۶ء میں اس نے محسوس کیا کہ باسفورس اور درِ دانیال کی غیر فوجی اور بین الاقوامی حیثیت اس کے لیے فوجی اور اقتصادی حیثیت سے تباہ کن ثابت ہو رہی ہے اور کچھ مخالفین اس خطے میں فوجی حرکت شروع کر رہے ہیں تو وقت کے وزیرِ خارجہ توفیق رشدی آر، اس معاملے کو لیگ آف نیشنز میں لے گئے۔ چنانچہ ایک نئے معاہدے مونٹرو کنونشن پر دستخط ہوئے جس کے تحت ترکی کو باسفورس اور درِ دانیال کی آبی گزر گاہوں میں اپنے جنگی جہاز داخل کرنے کی اجازت دی گئی۔ البتہ اس کی بین الاقوامی گزر گاہ والی حیثیت برقرار رہی۔ تو یہ ایک عمدہ مثال ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے ڈھانچے میں ایسی تبدیلیاں کریں جو مخالفین کی چالوں کا تدارک کر دیں۔ ترکی یہ کام بھی کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر ایک طرف اس نے باسفورس میں بحری ٹریفک کے ازدحام اور یوکرین جنگ کی وجہ سے کچھ پابندیاں لگائی ہیں تو دوسری طرف ۲۰۱۸ء سے باسفورس کے متوازی ایک مصنوعی آبی گزر گاہ نہرِ استنبول کے نام سے زیرِ تعمیر ہے جو آبنائے باسفورس پر سے ٹریفک کے دباؤ کو کم کرنے کا ذریعہ بنے گی۔ اب جب جہازوں کو باسفورس سے گزرنے کا راستہ کم کم ملے گا تو یقینی طور پر وہ نہرِ استنبول کا رخ کریں گے، چونکہ اس نہر پر مونٹرو معاہدے کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا یہاں سے گزرنے والے جہازوں سے ٹیکس لیا جاسکے گا۔

اگر دیکھا جائے تو جب بھی ترکوں کو اپنے مفاد کے لیے کسی اقدام کی ضرورت پڑی اور اس کی طاقت اور وسائل بھی میسر ہوئے تو محض لوزان معاہدہ ان کے قدموں کی بیڑی نہیں بن سکا۔ ۱۹۷۴ء میں قبرص پر حملہ کر کے یہاں کے تقریباً ایک تہائی رقبے پر قبضہ کر کے ترک جمہوریہ شمالی قبرص کے قیام کی راہ ہموار کرنا اور پھر دنیا بھر میں تنہا ترکی ہی کا اس ریاست کو قبول کرنا، اس کی ایک مثال ہے۔ اسی طرح ترکی کا شام میں اپنی پارلیمنٹ کی منظوری کے ساتھ فوج کشی کرتے ہوئے اپنے مفادات کا تحفظ کرنا اور نگورو کاراباغ کے مسئلے پر، روس اور امریکہ

دونوں کے انتباہ کے باوجود آذر بائیجان کی اعلانیہ حمایت بلکہ مخالفین کے مطابق بالفعل مدد بھی اس کی ”روشن مثال“ ہے۔اسی طرح فلسطین کی حمایت بھی ایک عمدہ مثال بن سکتی ہے۔اب یہ جو طرزِ عمل ہے، یہ معاہدے کی ان شقوں کے برعکس ہے جن میں ترکی کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ اپنی معین حدود سے باہر کوئی سروکار نہیں رکھے گا۔ یہ تو ترکوں کے چند اعمال کا بیان ہوا۔اب کچھ اقوال کا ذکر ہو جائے۔

۲۰۱۶ء میں اردگان پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہہ چکے ہیں کہ بحرِ ایجہ کے جزیرے ہماری ملکیت ہیں یہاں ہماری مساجد اور مقدس مقامات ہیں۔انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے ساحلوں کے نزدیکی جزیرے دوسروں کو دے دیے گئے اور یہ خلافِ انصاف ہے۔ہماری مجبوری سے فائدہ اٹھایا گیا۔انھوں نے معاہدۂ لوزان کو نصرت کے بجائے ہزیمت قرار دیا،، جس پر لبرل طبقات کے طرف سے بہت تنقید کی گئی۔ نصرت یا ہزیمت ایک اعتباری شے ہے یعنی اگر لوزان کو سلطنتِ عثمانیہ کی وسعت اور عظمتِ رفتہ کی روشنی میں دیکھیں تو یہ صاف ہزیمت ہے لیکن یاد رہنا چاہیے کہ یہ عظمت، رفت ہو چکی ہے تو اب اگر لوزان کو معاہدۂ سیفرے اور اتحادیوں کے قسطنطنیہ پر قبضے کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو یہ ایک فتح ہے۔خود اردگان نے بعض موقعے پر لوزان کو فتح اور فخر قرار دیا ہے اور بعض جگہ اس کی مذمت کی ہے تو مذمت اس کے ظالمانہ پہلو کی ہے اور مسرت اس میں موجودہ ترکی کی سرحدوں کو تسلیم کرنے کی ہے۔۲۰۱۷ء کے دورۂ یونان کے موقعے پر بھی اردگان اپنے یونانی ہم منصب کے ساتھ پریس کانفرنس میں جزیروں پر فوجی حرکت کے ضمن میں یونان پر تنقید کرتے ہوئے یہ کہہ چکے ہیں کہ لوزان معاہدے کی بعض شقیں خلافِ عدل و انصاف اور قابلِ اصلاح ہیں۔

۲۴ جولائی ۲۰۲۱ء کو لوزان کی اٹھانویں سالگرہ پر اردگان نے اپنے پیغام میں کہا کہ ہم نے مشکلات کے باوجود جنگِ آزادی میں کامیابی حاصل کی اور لوزان امن معاہدے کے ذریعے عالمی پہچان حاصل کی۔انھوں نے کہا کہ ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔کسی کی بلیک میلنگ میں نہیں آئیں گے بلکہ اپنے حقوق کا تحفظ کریں گے۔ہم سال ۲۰۲۳ء میں اقتصادی بہتری اور عسکری و سیاسی مضبوطی کے ساتھ داخل ہونے کے لیے

پر امید ہیں۔ جولائی ۲۰۲۲ء میں لوزان کی ننانویں سالگرہ پر اردگان نے کہا کہ آج لوزان امن معاہدے کی ننانویں سالگرہ ہے جو ہماری جمہوریہ کی بانی دستاویز ہے۔ان کے اندازِ بیان سے لگتا ہے کہ وہ کسی غیر معمولی دعوے یا معاہدۂ لوزان کی کلی تنسیخ کے بغیر انھی دائروں میں رہتے ہوئے اپنا راستہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہی ان کی سابقہ سیاست ہے اور مصلحت و حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہاں لوزان کہانی ختم ہوئی، ہم جولائی ۲۰۲۳ء میں ہیں۔ لوزان کی سوویں سالگرہ سر پر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمیشہ حیران کر دینے والے اردگان اس بار ہمیں کیا سرپرائز دیتے ہیں۔

www.gwpda.org › straits Great War Primary Documents Archive

* * * * *

درسِ قرآن

مولانا محمد اقبال

# کتابِ قیم: مومنین کے لیے دستورِ حیات

## سورۃ الکہف، آیت: ۱تا۳

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا* قَيِّمًا لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِنْ لَدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا* مَاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا﴾

''تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں رکھی۔ ایک سیدھی سیدھی کتاب جو اس نے اس لیے نازل کی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کرے اور جو مومن نیک عمل کرتے ہیں ان کو خوش خبری دے کہ ان کو بہترین اجر ملنے والا ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''۔

### سورۃ الکہف کا شانِ نزول اور وجہِ تسمیہ

مفسرین نے سورۃ الکہف کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ مشرکینِ مکہ کے پاس حضور اکرم ﷺ کی نبوّت کی تکذیب کی کوئی معقول وجہ نہ رہی تو انھوں نے دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے یہودی علما کے پاس بھیجا کہ یہ دو افراد علمائے یہود جو اہل کتاب ہیں اور کتبِ سماویہ؛ تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں ان سے حضور اکرم ﷺ کے دعوۂ نبوّت کے متعلق دریافت کریں کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ

علمائے یہود نے ان سے کہا کہ آپ حضور اکرم ﷺ سے ان تین سوالوں کے جواب دریافت کیجیے کہ ان نوجوانوں کا وہ عجیب واقعہ بیان کریں جو شرک سے بچنے کی خاطر اپنے شہر سے نکل کر کسی غار میں چھپ گئے تھے۔ دوسرا ان سے دریافت کریں کہ اس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔ جبکہ تیسرا سوال یہ ان سے پوچھیں کہ روح کی حقیقت کیا ہے۔ پھر اگر وہ ان تین سوالوں کا صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، کیونکہ ان سوالوں کا جواب صرف نبی مرسل کے پاس ہی ہو سکتا ہے۔ اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو ان کا نبوّت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ یہ دونوں شخص مکہ مکرمہ واپس آئے اور سوالوں کی یہ تفصیل مشرکینِ مکہ سے ذکر کی۔ لہٰذا انھوں نے علمائے یہود کی ہدایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ سے مذکورہ تین سوال پوچھ لیے۔ ان سوالات میں سے تیسرے کا جواب سورۂ بنی اسرائیل میں آیا ہے جبکہ بقیہ دو سوالات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (جامع البيان في تأويل القرآن، ج: ۱۷، ص: ۵۹۳) کہف کے معنیٰ غار کے ہیں، اور اس سورت میں اصحابِ کہف یعنی غار والے حضرات کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''سورۃ الکہف'' رکھا گیا ہے۔

## سورۃ الکہف کی فضیلت

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''جو آدمی سورۃ الکہف کی ابتدائی دس آیات یاد کرلے گا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ (مسلم: ۱۸۸۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جمعے کے دن سورۃ الکہف پڑھے گا تو وہ اگلے آٹھ دنوں تک ہر قسم کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر دجال بھی نکل آئے تو وہ اس کے فتنے سے بھی محفوظ رہے گا''۔ (المستخرج من الأحاديث المختارة: ۴۳۰) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''جو شخص جمعے کے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کرے گا تو وہ اس کے

لیے اگلے جمعے تک ایک نور روشن کرے گی''۔ (المستدرك علی الصحیحین: ۳۳۹۲) حسبِ بالا روایات کے علاوہ اور بہت ساری روایات میں سورۃ الکہف کی تلاوت کے کثیر فضائل وارد ہوئے ہیں، اور خاص طور پر جمعے کے دن اس کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

## آیاتِ مبارکہ کی تفسیر وتوضیح

اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی حمد و ثنا سے ابتدا کی کہ اس نے اپنی کتاب کو اپنے بندے اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کی ہے، اور یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی ٹیڑھاپن، کوئی کجی نہیں ہے۔ اس کے ذریعے صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ راہ سے ہٹے ہوئے لوگوں کے لیے اس میں انذار جبکہ مومنین کے لیے اس میں بشارت و خوش خبری ہے۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾ ''تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی''۔ یعنی تمام شکر کا حق دار وہ ذات ہے جس نے اپنے بندے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو کتبِ سماویہ میں سب سے زیادہ کمالات کی حامل ہے۔ اس آیت میں ایک طرف قرآنِ کریم کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، دوسری طرف اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کی نسبت بحیثیت عبد اپنی طرف کر کے حضور ﷺ کی عظمت اور جلالتِ شان کی وضاحت کے ساتھ اس طرف بھی اشارہ کیا گیا کہ رسول بندہ ہوتا ہے، اس کی شان یہی ہونی چاہیے، نہ کہ جیسے نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا ہے۔

## قرآنِ کریم کے دو اوصاف کا بیان

آگے قرآنِ کریم کے دو اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا﴾ ''اور اس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں رکھی''۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کوئی کجی باقی نہیں رکھی، نہ اس کے نظم

میں کوئی کجی ہے کہ وہ فصاحت وبلاغت کے خلاف ہو اور نہ ہی اس کے معانی ومفاہیم میں کوئی تناقض پایا جاتا ہے کہ وہ حکمت کے خلاف ہو۔ اسی طرح اس میں ہدایت سے کوئی انحراف کا بھی کوئی شائبہ نہیں ہے۔ یعنی قرآن کریم اپنے لفظی اور معنوی کمال کے ساتھ ہر قسم کی ظاہری وباطنی خوبیوں سے مزین ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر اس کی وضاحت یوں کی ہے: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء:٨٢) "کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلافات پاتے"۔ لہذا قرآنِ کریم کے اندر نظم اور معنیٰ کے لحاظ سے ایک ایسا ربط ہے، جس کا التزام کرنا سوائے رب ذوالجلال کے کسی فردِ بشر کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس وصف کے بیان کے بعد کلامِ الٰہی کا دوسرا وصف بیان کیا جا رہا ہے کہ: ﴿قَيِّمًا لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِنْ لَدُنْهُ﴾ "ایک سیدھی سیدھی کتاب جو اس نے اس لیے نازل کی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کرے"۔ یعنی اس کتاب کا دوسرا وصف یہ ہے کہ معتدل اور ٹھیک ٹھیک راستے کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہاں بعض مفسرین نے ﴿قَيِّمًا﴾ کی تفسیر مستقیماً سے کیا ہے کہ اس کتاب کا دوسرا وصف یہ ہے کہ یہ سیدھی اور راست رو ہے، اس میں کسی جانب میلان نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ پہلے وصف کے لیے تاکید ہے، کیونکہ پہلے وصف کا حاصل بھی یہی ہے۔ اسی طرح قیم کے معنیٰ مھیمن کے بھی ہوسکتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآنِ کریم تمام کتبِ سماویہ پر گواہ، سابقہ کتب کے علوم کا جامع اور ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ اسی طرح قیم کو نگران کے معنیٰ میں بھی لیا جاسکتا ہے کہ قرآنِ کریم بندوں کے دینی ودنیوی مصالح کا کفیل ہے، امام رازی رحمہ اللہ نے یہی تفسیر راجح قرار دی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم نگران ہے اس لیے کہ یہ لوگوں کے لیے ہدایت کا سبب ہے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ چھوٹے بچوں پر کوئی نگران مقرر کیا جائے، اس لیے کہ انسانی ارواح بمنزلۂ اطفال کے ہیں اور قرآن کریم ان ارواح کے مصالح کے متعلق شفیق نگران کی طرح ہے۔ مذکورہ تفسیر پر دلیل دیتے ہوئے وہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ

کا قول ﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا﴾ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم اپنی ذات میں کامل ہے۔ جبکہ ﴿قَيِّمًا﴾ کے وصف سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ غیر کی تکمیل کرنے والا ہے، اس لیے کہ قیم ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دوسروں کے مصالح کا خیال رکھتا ہو۔ ان دونوں اوصاف کی نظیر سورۃ البقرۃ کی یہ آیت: ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ هُدىً لِلْمُتَّقِينَ﴾ ہے۔ اس میں ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ سے اشارہ ہے کہ یہ کتاب اپنی ذات میں صحت اور عدمِ اخلال یعنی نظم کے لحاظ سے کسی عیب سے حفاظت میں انتہا درجے پر ہے، اس طور پر کہ عقلاً اس میں شک نہ کرنا واجب ہے۔ اور ﴿هُدىً لِلْمُتَّقِينَ﴾ سے اشارہ ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کی ہدایت اور ان کی حالت کی تکمیل کا سبب ہے۔ یہاں قولِ باری تعالیٰ: ﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا﴾ سورۃ البقرۃ میں مذکور ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ کا قائم مقام ہے جبکہ ﴿قَيِّمًا﴾ ﴿هُدىً لِلْمُتَّقِينَ﴾ کا قائم مقام ہے۔ اور یہ قرآنِ کریم کے لطیف حِکَم و اسرار ہیں۔ (مفاتیح الغیب، ج:۲۱، ص:۴۲۳) خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اپنی ذات میں کامل ہونے کے ساتھ غیر کی تکمیل کے وصف سے بھی متّصف ہے، یہ اعتدال کے اس درجے پر ہے جہاں نہ افراط کی گنجائش ہے اور نہ ہی تفریط کی، اور اسی طرح یہ ایسا نگران ہے جو معاش و معاد کے معاملات میں سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن اس مقصد کے لیے نازل فرمایا کہ اس کی پیروی کی جائے، اگر کوئی اس کی پیروی سے منہ موڑ لے اسے تو اس کے متعلق واضح فرمایا کہ: ﴿لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِنْ لَدُنْهُ﴾ ''ایک سیدھی سیدھی کتاب جو اس نے اس لیے نازل کی ہے تاکہ (اس کتاب کے ذریعے) لوگوں کو اپنی طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کرے۔ اور جو اس کتاب کی تعلیمات کے موافق نیک عمل کرتے ہیں ان کو بہترین اجر کی خوش خبری دے۔

## ایک تکوینی امر کی طرف اشارہ

سورۃ الکہف میں اصحابِ کہف اور حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعات موجود ہیں، جن میں مافوق الفطرت امور کے صادر ہونے کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح یاجوج ماجوج کا تذکرہ بھی موجود ہے جو قربِ قیامت میں نمودار ہوں گے اور ان کا دجال سے تعلق اخبار وروایات میں بیان ہوا ہے۔ چونکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دو طرح کے احکام؛ تشریعی امور اور تکوینی امور جاری ہیں۔ انسان صرف تشریعی امور کا مکلف ہے، تکوینی امور اللہ تعالیٰ کے حکم سے براہ راست صادر ہوتے ہیں، ان میں بندوں کا عمل دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی ان واقعات کے ظہور کا کوئی مکلف ہوتا ہے۔ بہر حال، اصحابِ کہف کا واقعہ ہو یا حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا واقعہ ہو یا آخری زمانے میں یاجوج ماجوج اور دجال کی آمد ہو، یہ سب تکوینی امور سے متعلق ہیں۔ یہاں حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اپنی اہم کتاب "تذکیر بسورۃ الکہف" میں ﴿بَأْسًا شَدِيدًا مِنْ لَدُنْهُ﴾ کے کلمات کے ضمن میں دجالی فتنے کے متعلق ایک نکتے کی وضاحت فرماتے ہوئے ایک اہم تکوینی امر کے وقوع کے متعلق تحریر کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: "بہر حال ﴿بَأْس شَدِيد﴾ کے ساتھ ﴿مِنْ لَدُنْهُ﴾ کا اضافہ دھمکی میں جو کیا گیا ہے بغیر کسی تاویل کے اس کا یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ شدید جنگ جس کی یہاں دھمکی دی گئی ہے اسباب وعلل سے بالاتر ہوگی اور براہ راست قدرت کی طرف سے ایسے "من لدني" حالات پیش آئیں گے کہ اسباب کی راہ سے مقابلہ کرنے والوں کے سارے عقلی داؤ پیچ اور فکری تگ ودو، ذہنی اُدھیڑیں سب کے سب بے کار ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ اسباب کی راہ سے تو ان ہی چیزوں کا مقابلہ ممکن ہے جو اسباب ہی کی راہوں سے پیدا ہو رہی ہوں لیکن "من لدني" قانون کے تحت قدرت کا ہاتھ جب چیزوں کو پیدا کرلے گا ان کا مقابلہ بھلا کون کر سکتا ہے"۔ (تذکیر بسورۃ الکہف، ص:۴۲)

## اہلِ ایمان کے لیے خوش خبری

جس سخت عذاب سے لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے، اس کے متعلق فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو حق کے واضح ہونے کے باوجود اس کی پیروی سے منھ موڑ لے، البتہ اہلِ ایمان کے لیے اس عذاب سے عافیت کی خوش خبری دی جا رہی ہے کہ: ﴿وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا﴾ ”اور جو مومن نیک عمل کرتے ہیں ان کو خوش خبری دے کہ ان کو بہترین اجر ملنے والا ہے“۔ یعنی اس قرآن پر ایمان رکھنے والے مومنین جنھوں نے اس کی تعلیمات کے موافق اعمالِ صالحہ کا اہتمام کیا ہے، ان کو خوش خبری دے کہ ان کے لیے بہترین اجر کا وعدہ ہے، جو جنت کی صورت میں ملنے والا ہے۔ اس کی تائید آنے والی آیتِ مبارکہ سے ہو رہی ہے: ﴿مَاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا﴾ ”جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے“۔ یعنی وہ اہلِ ایمان جو تعلیماتِ قرآن کے موافق زندگی کے شب و روز بسر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں وہ اپنے اجر یعنی جنت میں ہمیشہ کے لیے مقیم رہیں گے، نہ وہاں سے انھیں کبھی نکالا جائے گا اور نہ ہی ان نعمتوں کو زوال ہو گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل و کرم کی بدولت جنت میں ان کو خلود عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کتابِ قیم کی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

*****

# درسِ حدیث

ابنِ عباس

## یومِ عاشورا کا روزہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ». (الجامع الصحيح للسنن والمسانيد و قال: رواه مسلم و الترمذي و النسائي و أبوداؤد و أحمد)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رمضان کے بعد افضل روزے اللہ کے مہینے مُحرّم کے ہیں“۔

### تشریح

اسلامی تقویم میں سال کا آخری مہینا، ذوالحجہ ایک مقدس مہینا ہے جس میں حج کی عظیم عبادت بجالائی جاتی ہے۔ جب کہ نئے سال کی ابتدا محرم سے ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک قابلِ احترام مہینا ہے۔ اس میں نفلی روزے کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے، گویا اسلامی سال کا اول و آخر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مدار پر قائم ہے۔ اسی لیے بعض اسلاف نے فرمایا کہ جو شخص ذوالحجہ اور محرم دونوں کی عبادات کا اہتمام کرتا ہے تو اس کے سال کا اول و آخر عبادت میں گزرا اور جس کا اول و آخر عبادت میں گزرا تو امید ہے کہ اس کا پورا سال ہی عبادت میں گزرے گا“۔ (لطائف المعارف لابن رجب الحنبلي)

حدیثِ زیرِ مطالعہ میں مذکور عبادت یعنی روزے پر بات کرنے سے پہلے یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ یہ روایت ماہِ محرم کی فضیلت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ ایک مرسل روایت میں ہے: ''رمضان کے بعد تمام مہینوں میں افضل مہینا محرم ہے''۔(لطائف المعارف لابن رجب الحنبلي)

حدیثِ زیرِ مطالعہ میں بتایا گیا کہ رمضان کے بعد افضل ترین روزے محرم کے ہیں۔ چونکہ بعض روایات سے بعض دوسرے دنوں کے روزے کی زیادہ فضیلت معلوم ہوتی ہے، تو ابنِ رجب الحنبلی رحمہ اللہ نے حدیثِ زیرِ مطالعہ اور دیگر احادیث میں یوں تطبیق قائم کی ہے کہ تطوع کی دو اقسام ہیں: ایک تو وہ جنھیں تطوع مقید کہتے ہیں یعنی وہ جو کسی خاص وقت یا دن کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے یومِ عرفہ کا روزہ یا ماہِ شوال کے چھے روزے جبکہ دوسرا تطوع مطلق ہے یعنی وہ نفلی روزے جو کسی خاص دن کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ کسی بھی ایسے دن میں رکھے جاسکتے ہیں جو روزے کے لیے ممنوع نہ ہو۔ تو مذکورہ حدیث میں جو محرم کے روزے کو افضل قرار دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مطلق نفلی روزوں میں محرم کے مطلق روزے دیگر مہینوں کے مطلق روزوں سے افضل ہیں۔

جس طرح ذوالحجہ کا پہلا عشرہ فضیلت کا حامل ہے لیکن خاص فضیلت نو ذوالحجہ کی ہے۔ تو اسی طرح محرم میں اگرچہ خاص فضیلت تو دس محرم کی ہے لیکن پہلا عشرہ سارے کا سارا ہی باعث فضیلت ہے۔ اس لیے عبادت کے اہتمام کے ذریعے اس پورے عشرے کی تعظیم کرنی چاہیے۔ چنانچہ حضرت ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ صحابہ کرام کے بارے میں روایت کرتے ہیں: كانوا يعظمون ثلاث عشرات العشر الأخير من رمضان والعشر الأول من ذي الحجة والعشر الأول من محرم. (لطائف المعارف لابن رجب الحنبلي) ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تین عشروں کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے: رمضان کا آخری عشرہ، ذوالحجہ کا پہلا عشرہ اور محرم کا پہلا عشرہ۔ قریشِ مکہ یومِ عاشورا کے روزے سے ایامِ جاہلیت میں بھی واقف تھے اور نیک لوگ اس روزے کا اہتمام بھی کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ بھی

آغازِ وحی سے پہلے اور ہجرت کے قبل و بعد اس روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے بلکہ یہ روزہ مسلمانوں پر فرضیت کا درجہ رکھتا تھا۔ البتہ جب رمضان کے روزوں کی فرضیت آ گئی تو عاشورا کے روزے کی فرضیت منسوخ کر کے اسے نفل قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصُومُ عَاشُورَاءَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصُومُهُ، فَلَمَّا هَاجَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا فُرِضَ شَهْرُ رَمَضَانَ قَالَ:«مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ».(صحيح مسلم) ”قریش ایامِ جاہلیت میں بھی یومِ عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے تب بھی آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔ البتہ جب رمضان کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے“۔

یہ اصول ہے کہ جب کسی کام کی فرضیت منسوخ ہوتی ہے تو اس کا جواز اور استحباب باقی رہتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب عاشورا کے روزے کی فرضیت کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا تو اپنے روزے دار ہونے کا ذکر کر کے اس کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا:«هَذَا يَوْمُ عاشوراء وَلَمْ يَكْتُبِ اللهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ وَأَنَا صَائِمٌ فَمَنْ شَاءَ فَلْيَصُمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُفْطِرْ»(صحيح البخاري) ”اے لوگو! یہ عاشورا کا دن ہے، اللہ نے تم پر اس کی فرضیت نہیں لکھ رکھی، پھر بھی میں آج روزے سے ہوں۔ لیکن تمھیں اختیار ہے کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے“۔ مسندِ احمد کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ فَصَامَ النَّاسُ ”پس لوگوں نے روزہ رکھا“۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دن کے روزے کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: مَا عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَامَ يَوْمًا يَطْلُبُ فَضْلَهُ عَلَى الأَيَّامِ إِلَّا هذَا الْيَوْمَ. (صحيح مسلم) ”میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ فضیلت حاصل کرنے کے لیے اس دن سے زیادہ کسی دن کا اہتمام کرتے

تھے"۔ آپ ﷺ نے عاشورا کے روزے کی ترغیب دیتے ہوئے اس کا ایک خاص اجر بھی بیان کیا: «صَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ يُكَفِّرُ سَنَتَيْنِ مَاضِيَةً وَمُسْتَقْبَلَةً وَصَوْمُ عاشوراء يُكَفِّرُ سَنَةً مَاضِيَةً». (مسند أحمد) "یومِ عرفہ دو سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے: ایک پچھلے سال کے اور ایک آنے والے سال کے، جب کہ یومِ عاشورا پچھلے سال کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے"۔

یومِ عاشورا کی ایک تاریخی حیثیت یہ ہے کہ اس دن اللہ کا دشمن فرعون غرق ہوا اور حضرت موسی علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس کے ظلم سے نجات ملی۔ اس کے شکرانے میں یہود نے اس دن کا روزہ رکھا۔ جب نبی کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے اپنے روزہ رکھنے میں اس نسبت کو بھی داخل فرما لیا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اور یہود کو پایا کہ وہ عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں تو یہود سے اس دن کے بارے میں پوچھا۔ یہودیوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے حضرت موسی اور بنی اسرائیل کو کامیابی عطا کی تھی۔ اسی احسان کے شکرانے کے طور پر ہم اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا «نَحْنُ أَوْلَى بِمُوسَى مِنكُمْ» "ہم تم سے بڑھ کر موسیٰ کے حق دار ہیں"۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ کرام کو اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا"۔ (صحیح بخاری)

البتہ آپ ﷺ نے عبادت والے پہلو میں بھی ان کی مشابہت سے بچنے کی خاطر، دس محرم کے ساتھ ساتھ نو محرم کا روزہ رکھنے کا بھی ارادہ فرمایا جو پورا نہ ہو سکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِع». (صحيح مسلم) "جب اگلا سال آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے"۔ راوی کہتے ہیں: فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ. "لیکن اگلے سال یہ دن آنے سے پہلے پہلے ہی آپ ﷺ وصال فرما گئے۔

ایک دوسری حدیث میں صراحت سے یہود کی مخالفت اور دس محرم کے ساتھ نو یا گیارہ محرم کا روزہ

رکھنے کا حکم بھی منقول ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«صُومُوا يَوْمَ عاشوراء وَخَالِفُوا فِيهِ الْيَهُودَ صُومُوا قَبْلَهُ يَوْمًا أَوْ بَعْدَهُ يَوْمًا». (مسند أحمد) ”یومِ عاشورا کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو اور عاشورا سے پہلے یا اس کے بعد مزید ایک دن روزہ رکھ لیا کرو“۔ اس حدیث کی ایک روایت میں «صُومُوا قَبْلَهُ يَوْمًا وَبَعْدَهُ يَوْمًا». (شعب الإيمان) ”اس دن سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھ لیا کرو“ ان احادیث کی رو سے افضل ترین صورت تو یہ ہے کہ انسان عاشورا کے سلسلے میں تین روزے رکھ لیا کرے یعنی دس محرم اور ایک روزہ اس سے پہلے (نو محرم) اور ایک روزہ اس کے بعد (گیارہ محرم) اس کے بعد دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان دس محرم کا روزہ رکھے اور اس سے پہلے ایک دن یعنی نو محرم کا روزہ رکھ لیا کرے۔ البتہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ صرف دس محرم ہی کا روزہ رکھنا بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ اضافی روزے رکھنے کی علت یہود سے مشابہت کا خاتمہ تھا چونکہ آج کل یہود عاشورا کا روزہ نہیں رکھتے اس لیے مشابہت کا اندیشہ جاتا رہا پس کوئی ایک روزہ بھی رکھے تو جائز ہے۔

* * * * *

مقالات

حضرت مولانا مجد القدوس خبیب رومی دامت برکاتہم العالیہ

# اصلاحی مجلس

## قسط نمبرا

گزشتہ دنوں مدرسہ عربیہ مظاہرِ علوم، سہارنپور کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے ہوئے تھے، اس سفر کے دوران آپ نے فقہ اکیڈمی کا دورہ بھی کیا۔ اکیڈمی کے جملہ اراکین واحباب کے لیے باعثِ سعادت ہے کہ حضرت نے فقہ اکیڈمی کو رونق بخشی اور قیمتی نصائح سے نوازا، حضرت کی گفتگو ٹرانسکرپشن اور ضبط وترتیب کے بعد پیشِ خدمت ہے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿وَالْعَصْرِ ﴿إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

"قسم ہے عصر کی۔ مقرر انسان ٹوٹے میں ہے۔ مگر جو لوگ کہ یقین لائے، اور کیے بھلے کام، اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی، اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی"۔

"عصر" زمانے کو کہتے ہیں، یعنی قسم ہے زمانے کی جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے، جسے تحصیلِ کمالات وسعادات کے لیے ایک متاعِ گراں مایہ سمجھنا چاہیے، یا قسم ہے نمازِ عصر کے وقت کی جو کاروباری دنیا میں مشغولیت اور شرعی نقطۂ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے (حتیٰ کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حدیث میں ارشاد

فرمایا کہ جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا) یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانۂ مبارک کی، جس میں رسالتِ عظمیٰ اور خلافتِ کبریٰ کا نور اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔

اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے دکاندار کی طرح اس کی تجارت کا راسُ المال جسے عمرِ عزیز کہتے ہیں، دم بدم کم ہوتا جارہا ہے۔ اگر اس رواروی میں کوئی ایسا کام نہ کرلیا جس سے یہ عمرِ رفتہ ٹھکانے لگ جائے، بلکہ ایک ابدی اور غیرِ فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لیے کار آمد بن جائے، تو پھر خسارے کی کوئی انتہا نہیں۔ زمانے کی تاریخ پڑھ جاؤ اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو ادنیٰ غور و فکر سے ثابت ہوجائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پروا ہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کار کس طرح ناکام و نامراد بلکہ تباہ و برباد ہو کر رہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وقت کی قدر پہچانے اور عمرِ عزیز کے لمحات کو یونہی غفلت و شرارت یا لہو و لعب میں نہ گنوائے۔ جو اوقات تحصیلِ شرف و مجد اور اکتسابِ فضل و کمال کی گرم بازاری کے ہیں، خصوصًا وہ گراں مایہ اوقات جن میں آفتابِ رسالت اپنی انتہائی نور افشانی سے دنیا کو روشن کررہا ہے، اگر غفلت و نسیان میں گزار دیے گئے، تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا۔ بس خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہیں جو اس عمرِ فانی کو باقی اور ناکارہ زندگی کو کار آمد بنانے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور بہترین اوقات اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسبِ سعادت اور تحصیلِ کمال کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آگے: ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ میں کیا گیا ہے۔ یعنی انسان کو خسارے سے بچنے کے لیے چار باتوں کی ضرورت ہے: اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے، پورا یقین رکھے۔ دوسرے، اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں ظاہر ہو، اور اس کی عملی زندگی اس کے ایمانِ قلبی کا آئینہ ہو۔ تیسرے، محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیشِ نظر رکھے، جب دو مسلمان ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملے میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت و وصفت رہے کہ حق کے معاملے میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستے میں جس قدر

سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلافِ طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں، ہرگز قدم نیکی کے راستے میں ڈگمگانے نہ پائے۔ جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحاتِ دہر پر زندہ جاوید رہے گا، اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیاتِ صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔ فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورت سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تو (سمجھ دار بندوں کی) ہدایت کے لیے کافی تھی۔ بزرگانِ سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے، جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وقت کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ یہ وقت اور یہ نظامِ عالم اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہے جو اسی کے حکم کے تابع رہتا ہے، وہ ہماری مرضی کے مطابق ہو یا نہ ہو لیکن مومن کے لیے خیر اسی میں ہے کہ وہ اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دے۔ احقر کے شیخ و مرشد حضرت جلال آبادی نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ پریشانی اُس وقت ہوتی ہے جب آدمی خود تجویز کر لیتا ہے۔ جب وہ تفویض کی صورت اختیار کر لے کہ ہم اللہ کے سپرد ہیں تو پھر پریشانی ختم ہو جاتی ہے ورنہ کم تو ہو ہی جاتی ہے۔ آدمی جب بھی کوئی حساب کتاب لگاتا ہے اور اُس کے خلاف ہوتا ہے، اُسی سے پریشانی ہوتی ہے۔ پریشانی نام ہے خلافِ طبیعت بات کے پیش آنے کا، اِسی لیے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کا بڑا جامع ارشاد ہے، جس کو حضرت کے عاشقِ صادق حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ اصل ارشاد تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا نثر میں ہے، اُس کو خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے نظم کر دیا ہے بات کو یاد رکھنے کے لیے:

رکھ ہمیشہ نظر میں دو باتیں اے دو عالم کی خیر کے طالب
طبع غالب نہ عقل پر ہو کبھی اور نہ ہو عقل عشق پر غالب

طبیعت کو عقل پر غالب نہ کرے، عشقِ الٰہی جس کا نام دستورِ شریعت ہے۔ ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں:

اگر آزاد ہم ہوتے خدا جانے کہاں ہوتے؟
مبارک عاشقوں کے واسطے دستور ہو جانا

دستور کیا ہے؟ شریعت۔ اِسی لیے حضرت، محدثِ فقیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ہمارے بزرگوں کا سوچا سمجھا خیال ہے کہ شریعت؛ اللہ تبارک و تعالیٰ سے محبت کی میزان ہے، جس درجے کی محبتِ الٰہیہ ہوگی، اُسی درجے کے حکمِ شرعی پر عمل ہوگا۔ اگر اُس کو محبت اعلیٰ درجے کی حاصل ہے تو مستحبات پر عمل کرے گا، درمیانی درجے کی ہے تو مسنونات نہیں چھوڑے گا۔ ورنہ کم ازکم یہ ہے کہ وہ فرائض وواجبات سے نیچے نہیں جائے گا کیونکہ اُس کے نیچے کوئی درجہ نہیں، وہ تو آخری درجہ ہے کہ فرائض وواجبات پر اکتفا کرے گا۔ تو فرائض وواجبات کے اوپر مسنونات ہیں، اُن کے بعد مستحبات ہیں اور یہ میزانِ محبت ہے، ترازو ہے کہ کس درجے کی محبت دل میں ہے؟ اِسی لیے خود کو جانچنے اور پرکھنے کے حوالے سے ہمارے بزرگوں کا ایک اور ارشاد ہے: اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اپنا مقام جاننا چاہو کہ کیا ہے تو یہ دیکھو کہ ہمارے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا کیا درجہ ہے، جو درجہ ہمارے یہاں اُس کے احکام کا ہے، وہی درجہ ہمارا اس کے وہاں ہے، ہم اُس کو کتنا پیشِ نظر رکھتے ہیں اور کتنا پسِ پشت، بس اِسی کو جانچتے اور پرکھتے رہنا ہے۔ اِسی مناسبت سے خیال آیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ہمارے مولانا موصوف (مفتی اویس پاشا قرنی صاحب) کی نسبت سے جو معمولات ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اِس وقت جو مغرب کے بعد ادا کیے گئے ہوں گے، اُس میں، میں حائل نہیں ہوا اور آپ حضرات نے سکون سے اُس کو ادا کرلیا ہوگا۔ میں نے اپنے عزیز ذاکر میاں سے کہلوادیا تھا کہ بھئی وہ معمولات اپنے معمول کے مطابق جاری رکھیں تاکہ مغرب سے عشا تک انتظار میں وقت نہ ضائع ہو جائے، طبیعت یکسو رہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''چاہے ایک سوئی نہ ہو مگر یکسوئی ہو''۔ ایک سوئی سے مراد ہے مال۔ چاہے مال وال نہ ہو آدمی کے پاس لیکن یکسوئی ہو، کوئی حائل اور حارج نہ ہو، مانع نہ ہو، یہ کب ہوگا، اُسی وقت ہوگا جب آدمی اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردے۔ اور جب تک ہم لوگ اپنے آپ کو نفس اور شیطان کے حوالے رکھیں گے، اندر سے نفس کے اور باہر سے شیطان کے تو اِسی کشمکش میں رہیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اِس کا استحضار نصیب فرمائے اور اِس کی ہمت نصیب فرمائے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا دو لفظی ارشاد ہے جو

بڑے کام کا ہے: استحضار اور ہمت، استحضار کے لیے دعا کرے، بھول نہ ہو، یاد رہے، موقعے پر یاد آجائے اور کرنے کے لیے جو ارادہ اور قوت چاہیے، وہ آدمی کر گزرے۔

حضرت حکیم الامت کے مرض الوفات کے ملفوظات خاتمۃ السوانح میں دیکھیں، بالکل دریا بکوزہ ہیں۔ ہمارے دو بزرگوں نے اُس کو جمع فرمایا، اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے: ایک تو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوب رحمہ اللہ، اُنھوں نے تذکرے کے دوران حضرت کے وہ تمام ملفوظات خاتمۃ السوانح میں جمع فرما دیے، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے باقاعدہ تاریخ وار ملفوظات مرض الوفات کے جمع فرما دیے ہیں، ایک ایک ملفوظ کے عنوان سے، تاریخ وار، وہ بھی خاتمۃ السوانح میں ہیں تو اُس میں حضرت نے ایسی دریا بکوزہ ایک ایک لفظی بات فرمائی کہ اُس کو آدمی حرزِ جاں بنائے ساری عمر کام آنے والی چیز ہے۔ جیسے یہی ارشاد ہے کہ طبیعت کو عقل کے ماتحت رکھے، اِس کا فائدہ کیا ہوگا؟ دنیا میں آدمی پریشان نہیں ہوگا اور عقل کو شریعت کے ماتحت رکھے، آخرت میں پشیمان نہ ہوگا ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ اِس کا استحضار اور ہمت نصیب فرمائے۔ حضرت مجددالفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے فرمایا: دو چیزیں حاصلِ تصوف ہیں: ایک تو محبتِ شیخ اور دوسرے اتباعِ سنت۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو عجیب ذہن دیا تھا، حضرت نے فرمایا: اس میں اصل مقصود تو اتباعِ سنت ہے اور محبتِ شیخ وسیلہ ہے۔ شیخ العالَم حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ حضرت جب مالٹا سے واپس تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کا فضل، اُس کا احسان کہ احقر نے اُن بزرگوں کی زیارت کی ہے، جنھوں نے حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ سے وہ کلمات سنے تھے دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کی چھت پر تراویح کے بعد حضرت تشریف فرما ہوئے۔ اور وہاں یہ دو ارشاد فرمائے کہ میں نے مالٹا میں، وہاں کی اسیری اور قید کے زمانے میں دو سبق یاد کیے ہیں، لوگوں کو خیال ہوا کہ بھئی کیا سبق یاد کیے ہیں! یہ تو استاذ الاساتذہ ہیں اور یہ کیا دو سبق وہاں سے پڑھ کر آئے ہیں، سب گوش بر آواز ہوئے، فرمایا: ”امت کا عالمی طور پر جو انحطاط و زوال ہے، اُس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک قرآنِ پاک کو چھوڑ دینا اور دوسرے آپس میں

انتشار اور مخالفت''۔ اختلاف مراد نہیں ہے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی بڑی بہترین تعبیر ہے، میں نے حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی سے سنی، اُنھوں نے اپنے والد صاحب سے سنی، اُنھوں نے اپنے والد صاحب سے، اُنھوں نے حضرت نانوتوی سے کہ ''اختلاف توبات سے ہوتا ہے اور مخالفت ذات سے ہوتی ہے''۔ فرمایا: کیونکہ بعض اوقات اختلاف واجب اور اتفاق ممنوع ہوتا ہے، اِسی لیے حضرت حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃ الظاہرۃ والباطنۃ، حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اختلاف کی جو ممکنہ صورتیں ہیں، اصولی طور پر اُن کا حکم لکھوایا کہ اِس قسم کا اختلاف حرام ہے، اِس قسم کا اختلاف جائز ہے بلکہ واجب ہے، اگر اختلاف نہیں کرے گا تو سب معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔

احقر جب حضرت جلال آبادی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے پہلے دن فرمایا: اصلاح تو واجب ہوتی ہے مگر اعتراض حرام ہوتا ہے۔ فرمایا: یہ سلوک میں ضروری ہے، اِس کے بغیر سلوک طے نہیں ہوتا۔ اعتراض میں منشا فضیحت کا ہوتا ہے، نصیحت کا پہلو نہیں ہوتا، اِسی لیے ایک بڑے عالم نے بات لکھی ہے کہ اصلاح اور اعتراض میں بسا اوقات صورت ملتی جلتی ہوتی ہے لیکن منشا مختلف ہوتا ہے، اصلاح دوست کرتا ہے اور اعتراض دشمن کرتا ہے۔ فرمایا: دونوں کے منشے الگ الگ ہوتے ہیں، اِس کا منشا ہوتا ہے کہ اِس کی اصلاح ہو جائے، درستی ہو جائے، اُس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ ہم اِس کو اخبار میں، اشتہار میں دے دیں تاکہ یہ بدنام ہو۔ ساہیوال میں حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ تھے، اُنھوں نے مجھے بتایا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خواص وعشاق کی نظر میں ایک تحریر آئی، حضرت تھانوی رحمہ اللہ پر کسی مفتی صاحب کا کوئی اعتراض اخبار میں چھپا تھا۔ اُنھوں نے حضرت پر اعتراضات کیے تھے۔ تو حضرت کی طرف سے جن حضرات نے صفائی میں مضمون لکھا تو فرمایا کہ، ہمارے والد صاحب نے بھی لکھا تو اُنھوں نے اُس میں تحریر فرمایا: ''ایک اخباری مفتی صاحب۔۔۔''۔ حضرت نے جب مضمون ملاحظہ فرمایا تو یہ تعبیر لکھوائی: ''ایک مفتی صاحب نے اخبار میں۔۔۔''، فرمایا: اخباری مفتی لکھو گے تو وہ چڑ جائیں گے اور پھر وہ کچھ دوسرا اوار شروع کر دیں گے، کہا کہ ملا آں باشد کہ چپ نہ شود۔ کسی نے خواجہ مجذوب صاحب سے پوچھا تھا کہ آپ ''مسٹر'' تھے، حضرت ''ملا'' تھے، دوستی

کیسے ہوگئی؟۔ ’’ملا اور مسٹر کی نوک جھونک‘‘ اُن کی نظم ہے بہت مشہور، وہ بی اے تھے اور ڈپٹی کلیکٹر بھی رہے۔انھوں نے محض تقوے کی بنا پر استعفیٰ دے دیا۔ایک شخص آیا درخواست لے کر، اُس نے سود کی درخواست دی تھی، فرمایا: نہیں بھئی، سود لینا، دینا، لکھنا، گواہ بننا، سب حرام ہے، سب پر لعنت آئی ہے، ہم ملعون چیز پر دستخط نہیں کر سکتے، اُس نے جا کے کلیکٹر سے شکایت کی کہ صاحب یہ ڈپٹی کلیکٹر صاحب عجیب آدمی ہیں، کہہ رہے ہیں کہ ہم اِس پر دستخط نہیں کر سکتے ہیں، ملعون چیز ہے۔تو کلیکٹر انگریز تھا، حضرت فرماتے تھے: ’’دانا دشمن ہے‘‘۔وہ انگریز سمجھ دار تھا، مسکرایا، اُس نے پوچھا: کیا بات ہے خواجہ صاحب؟ آپ نے منظور کیوں نہیں کیا؟ آپ نے کہا: نہیں، نہیں ہم اِس پر سود کی منظوری نہیں دے سکتے۔تو کلیکٹر نے کہا کہ یہ تو آپ کی ڈیوٹی ہے۔ فرمایا: اچھا میری ڈیوٹی ہے؟ ٹھیک ہے، کاغذ دیں۔ بیٹھے، کاغذ لیا، استعفیٰ لکھا، استعفیٰ لکھ کر دے دیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ کیا کیا آپ نے؟ کہا: نہیں میں ایسی ملازمت نہیں کر سکتا جس میں سود کی اجازت دینی پڑے اور ملعون بنوں۔اب وہ سمجھ دار تھا، اُس نے فوراً اُس درخواست پر منظوری کے ساتھ ساتھ لکھا: ’’آدمی بہت کام کے ہیں، مگر اِن کو تقوے کا ہیضہ ہے، یہ بہت احتیاط کرتے ہیں، اِس لیے اِنھوں نے سود کی ڈگری نہیں دی، اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر اِن کو شعبہ تعلیم میں بھیج دیا جائے تو اُس کا نظام بہت اچھا ہو سکتا ہے، آدمی بہت منتظم ہے اور اپنے کام میں بہت اصولی ہے‘‘۔ کام چور سے کون کام لے؟ دین دار اِس کا بڑا خیال رکھتے ہیں کہ ہماری روزی، ہماری کمائی حرام نہ ہو جائے، تطفیف میں داخل ہے کام چوری، اُس نے سفارش لکھی اور حضرت کو اگلے ماہ سے دوسری ملازمت مل گئی۔تو خواجہ صاحب سے کسی نے کہا کہ آپ مسٹر تھے، حضرت تھانوی ملا تھے، دوستی کیسے ہوگئی؟ تو خواجہ صاحب چونکہ شاعر اور ادیب بھی تھے، مزاحیہ تھے، فرمایا: میں نے اپنی ٹر miss کر دی، کہا: ملا جو ہے، یہ بہت ٹرّا ہوتا ہے، مسٹر کا دماغ درست کر دیتا ہے، اِس لیے اِس کے سامنے نہیں بولنا چاہیے۔تو حضرت سے میں دین سیکھنے گیا تھا تو فرمایا: میں نے اپنی ٹر مِس کر دی، دوستی ہوگئی اور پھر تو حضرت کے عاشق ہوگئے۔

جاری ہے

*****

مولانا حماد احمد ترک

# شوکتِ سنجر و سلیم

## قسط نمبر ۸

### ۱۴: احمد خان اوّل (۱۵۹۰ء۔ ۱۶۱۷ء)

احمد خان اوّل نے کم سنی میں ہی علومِ دینیہ میں مہارت پیدا کرلی اور خاص طور پر انھیں علمِ فقہ سے بہت مناسبت تھی۔ عربی اور فارسی پر خوب دست رس تھی۔ کبار علما و مشائخ نے ان کی تربیت کی۔ اپنے زمانے کے اچھے شعرا میں شمار کیے جاتے تھے۔ بختی تخلص کرتے تھے۔ احمد خان صرف تعلیم و تعلّم میں ہی نمایاں نہیں تھے بلکہ تیر اندازی، نیزہ بازی اور گھڑ سواری میں بھی غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے۔ کم ہی لوگ انھیں شکست دے پاتے تھے۔ ۱۶۰۳ء میں تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۱۴ سال تھی اور بظاہر لگتا تھا کہ ایک کم سن سلطان اپنی ناتجربہ کاری سے اس زوال پزیر ریاست کی تباہی میں اہم کردار ادا کرے گا، لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ سلطان بنتے ہی احمد خان اوّل نے دو کام ایسے کیے جو بدعنوان افسروں کے لیے نہایت حوصلہ شکن ثابت ہوئے۔ اوّل یہ کہ امورِ سلطنت میں خواتین کی مداخلت کو یکسر ختم کر دیا اور دوم فوجی افسران کے ناجائز مطالبات تسلیم کرنے کے بجائے انھیں حکم عدولی پر موت کی دھمکی کا پیغام ارسال کیا۔ احمد خان کی کم سنی پر حرم کی خواتین کو یہ گمان تھا کہ اب تو زمام انھیں کے ہاتھ میں ہے اور وہ ریاست میں جو چاہے کر سکتی ہیں۔ احمد خان کا یہ فیصلہ ان کے لیے قطعی طور پر غیر متوقع تھا۔ احمد خان اوّل ذاتی طور پر ایک نیک انسان تھے۔

سپاہیانہ شوق اور عالمانہ ذوق انھیں 'حرم کا طواف' کرنے سے باز رکھتا تھا۔ سابقہ سلاطین کے برعکس، ان کا وقت عموماً لوگوں کے ساتھ میل جول اور ملاقات میں گزرتا، بہت کم دورانیے کے لیے حرم جاتے تھے۔ سلطان احمد اوّل کے دو کارنامے انھیں امتیازی مقام پر فائز کرتے ہیں: پہلا کارنامہ یہ کہ سلطان احمد اوّل نے قانونِ اکبریت متعارف کروایا۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ ان سے قبل سلاطین میں ایک خوف ناک رسم چل نکلی تھی کہ جو شہزادہ تخت پر بیٹھتا تھا وہ سب سے پہلے اپنے بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارتا تھا اس خوف سے کہ کہیں بغاوت نہ کر دیں۔ کتنے ہی معصوم اور بے گناہ شہزادے اس ناجائز رسم کی بھینٹ چڑھ چکے تھے اور اس کام کو شیخ الاسلام کی تائید بھی مل جاتی تھی (شیخ الاسلام عثمانیوں کا ایک سرکاری منصب تھا، یہاں شیخ الاسلام سے وہی سرکاری عہدے دار مراد ہیں، علومِ دینیہ کی اصطلاح میں شیخ الاسلام سے وہ جلیل القدر علمائے کرام مراد ہوتے ہیں جن کی وسعتِ علمی کے سبب انھیں دیگر علما "شیخ الاسلام" کا لقب دیتے ہیں جیسے شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام یا شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہما اللہ)۔ احمد خان نے اپنے چھوٹے بھائی کو قتل نہ کر کے اس بُری رسم کا خاتمہ کر دیا اور یہ ضابطہ مقرر کیا کہ خاندان کا سب سے بڑا مرد سلطان بنے گا۔ دوسرا اہم کام سلطان احمد مسجد کی تعمیر ہے جسے انگریزی میں Blue mosque کہتے ہیں۔ یہ مسجد آج بھی استنبول کی شناخت قرار دی جاتی ہے۔ بحرِ مرمرہ کے کنارے واقع یہ مسجد خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ خوب صورت مسجد کے حسن کی بڑی وجہ اس کی سبز اور نیلی ٹائلیں ہیں جن پر سورج کی کرنیں طرح طرح کے رنگ سجاتی ہیں۔ اسی سبب سے اسے نیلی مسجد کہا جاتا ہے۔ سلطان احمد اول کے عہد میں ۱۶۱۷ء میں اس مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اسے معمار سنان کی تعمیر کردہ شہزادہ مسجد کی طرز پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے چھے مینار ہیں اور یہ اپنے عہد میں مسجدِ حرام کے بعد دوسری مسجد تھی جس کے چھے مینار تھے۔ اس کی تعمیر کے بعد مسجدِ حرام میں ایک اور مینار کا اضافہ کر دیا گیا۔

سلطان احمد اوّل کے عہدِ حکومت کے آغاز میں ہی ایران کے ساتھ زبردست جنگ ہوئی، اس جنگ میں عثمانی لشکر کو شکست ہو گئی۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہنگری کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی جس میں ابتدائی طور عثمانی لشکر کا نقصان ہوا لیکن فتح نصیب ہوئی اور گرانؔ عثمانی مقبوضات میں شامل ہو گیا۔ ۱۶۰۶ء میں سلطنتِ

عثمانیہ اور آسٹریا کے درمیان صلح ہوگئی جسے ’’صلح نامہ ستواتوروک‘‘ کہا جاتا ہے۔ اس صلح نامے میں پہلی مرتبہ عثمانیوں نے عیسائیوں کو اپنے برابر کا حریف قرار دے کر مساوی شرائط پر صلح کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب اس سلطنت میں پہلے جیسا دم خم نہیں رہا تھا۔ یورپ کی وہ ریاستیں جو عثمانیوں کو کچلنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی تھیں، یہ دور اُن کے لیے بہت سازگار تھا اور عثمانیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا خواب پورا کیا جاسکتا تھا، لیکن یورپ کی اکثر ریاستوں کو اندرونی جنگوں نے اس خواب کی تکمیل کا موقع نہیں دیا۔ آسٹریا اور اسپین بھی باہمی خانہ جنگی کا شکار رہے اور فرانس، جرمنی اور برطانیہ میں حملے کی سکت نہیں تھی۔ سلطان احمد خان اوّل سلطنتِ عثمانیہ کے چودھویں سلطان تھے جو چودہ سال کی عمر میں سلطنت کے وارث ہوئے اور محض اٹھائیس سال کی عمر میں ایک زخم لگنے سے انتقال کر گئے۔ آپ کو سلطان احمد مسجد کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

## ۱۵: مصطفیٰ خان اوّل (۱۵۹۲ء۔۱۶۳۹ء)

سلطان احمد خان اوّل کی وفات پر ۱۶۱۷ء میں مصطفیٰ خان اوّل تخت نشین ہوئے۔ عثمانیوں کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا کہ سلطان کا بیٹا تخت نشین نہیں ہوا بلکہ اکبریت کے قانون کے تحت سلطان احمد کے چھوٹے بھائی مصطفیٰ کو سلطان منتخب کیا گیا۔ مصطفیٰ خان یہ منصب قبول نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ زہد پسند اور درویش انسان تھے۔ انھیں زبردستی حاکم بنایا گیا لیکن جلد ہی سلطنت کے زعما کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ مصطفیٰ کے غیر دانش مندانہ فیصلوں نے سلطنت کے ضعف کو مزید بڑھا دیا۔ ینی چری اور دیگر عہدے داروں نے من مانی شروع کر دی اور سلطنت میں انتشار پھیل گیا۔ چنانچہ تین ماہ بعد ہی ۱۶۱۸ء میں مصطفیٰ خان کو معزول کر کے سلطان احمد کے بیٹے عثمان کو تخت پر بٹھا دیا۔ عثمان نے محض چار سال حکومت کی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ۱۶۲۲ء میں عثمان کی نااہلی کے سبب اسے معزول کر کے دوبارہ مصطفیٰ خان کو تخت نشین کر دیا گیا، لیکن اب کی بار بھی یہ فیصلہ غلط ثابت ہوا اور مصطفیٰ کی نااہلی کی وجہ سے اگلے ہی سال ۱۶۲۳ء میں مصطفیٰ کو دوبارہ معزول کیا گیا۔ ۱۶۳۹ء میں سلطان مصطفیٰ اول کا انتقال ہوا۔

## ۱۶: عثمان ثانی (۱۶۰۴ء۔ ۱۶۲۲ء)

عثمان ثانی کو کم سنی سے علوم و فنون سے گہری مناسبت تھی چنانچہ آپ نے ادب، جغرافیہ، تاریخ، ریاضی اور دیگر فنون کی تحصیل میں بہت جد و جہد کی۔ بیک وقت ترکی، عربی، فارسی، لاطینی، یونانی اور اطالوی زبانوں سے واقف تھے۔ شعر بھی کہتے تھے اور ''فارسی'' تخلص کرتے تھے۔ عثمان ثانی کی شاعری ان کے ایک دیوان میں جمع کی گئی ہے۔ اپنے چچا مصطفیٰ کی نااہلی نے محض چودہ سال کی عمر میں عثمان ثانی کو عثمانی تخت کا وارث بنا دیا لیکن عثمان ثانی امورِ سلطنت سے بالکلیہ ناواقف تھے۔ چنانچہ سلطنت کا انتشار اور بڑھتا رہا، بالخصوص ینی چری کی مداخلت نے نظام کو معطل کر کے رکھ دیا۔ عثمان ثانی کے عہد کے آغاز میں ہی ایرانیوں سے پے در پے شکستیں کھانے کے بعد عثمانیوں کو ایرانیوں سے صلح کرنی پڑی اور بہت سے خِطوں سے دست بردار ہونا پڑا۔ یہ صلح ۱۶۱۸ء میں ہوئی۔ اس کے بعد کے تین سال سلطنت کے لیے بہت نامبارک تھے۔ ہر طرف انتشار اور بدامنی تھی اور ینی چری اس فتنے کا مرکزی کردار نبھا رہی تھی۔ اس فتنے سے چھٹکارے کے لیے عثمان نے پولینڈ سے جنگ چھیڑ دی تاکہ ینی چری اس طرف متوجہ ہو اور ان کی طاقت کچھ کمزور ہو۔ عثمان کو یہ مقصد تو حاصل ہوا لیکن پولینڈ سے شکست اور بھاری نقصان کی اطلاع پر عوام اور عہدے دار عثمان کے مخالف ہو گئے۔ ہر طرف عثمان کے اس فیصلے پر غم و غصہ دکھائی دیا۔ اس موقعے پر بجائے اس کے کہ عثمان لوگوں کو منانے کی کوشش کرتا، اس نے سخت قوانین نافذ کر کے زعمائے سلطنت کو مزید برگشتہ کر دیا۔ اتنا ہی کافی نہیں تھا، اس زوال اور اضمحلال کے عالم میں ایک دن سلطان عثمان نے اعلان کیا کہ وہ حج کے لیے جا رہے ہیں جس پر شیخ الاسلام، وزیرِ اعظم اور دیگر وُزَرا سمیت ینی چری نے سلطان کے اس فعل کو غلط قرار دے دیا۔ ینی چری نے سلطان کو اس ارادے سے باز رکھنے کے لیے احتجاج شروع کر دیا۔ ایک خبر یہ بھی پھیلائی گئی کہ سلطان حج کے سفر کی آڑ میں ایک نئی فوجی طاقت کی تیاری کرنا چاہتا ہے جسے ینی چری کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔ ناتجربہ کار سلطان نے اس شدید ردِّ عمل کی کوئی پروا نہیں کی اور سفر کا ارادہ برقرار رکھا۔ اس پر فوج نے قصرِ سلطنت کا محاصرہ کر لیا اور کچھ شرائط پیش کی گئیں، سلطان نے شرائط قبول کرنے سے انکار کیا۔ فوج نے دیوان منعقد کرنے کا مطالبہ کیا جس سے انکار پر ینی چری نے سلطان کی معزولی اور سابق

سلطان مصطفیٰ کی دوبارہ تخت نشینی پر اصرار شروع کر دیا۔ چنانچہ ۱۶۲۲ء میں عثمان کو معزول کر کے قید کر دیا گیا جنھیں ایک وزیر داؤد پاشا نے قتل کرا دیا۔ نئے سلطان کے لیے پہلے ہی مسائل بے شمار تھے، اب عثمان کے قتل پر ریاست کے مختلف گورنروں کی طرف سے قاتلوں کی گرفتاری کے مطالبے ہونے لگے اور ریاست کی بربادی میں کوئی کسر نہیں رہ گئی۔ بالآخر عثمان کے قاتلین کو قتل کر دیا گیا اور ۱۶۲۳ء میں مصطفیٰ کو دوبارہ معزول کر دیا گیا۔ اس زمانے میں یورپ کی ریاستیں بھی بہت انتشار کا شکار رہیں اس لیے عثمان کا عہد ان کی دست درازی سے محفوظ رہا۔ ۱۶۲۲ء میں پہلی مرتبہ برطانوی سفیر استنبول آیا اور بہت عرصے یہاں مقیم رہا۔ اس سفیر نے بھی سلطنتِ عثمانیہ کی زبوں حالی کے بہت سے واقعات تحریر کیے ہیں۔ عثمان ثانی مسجد سلطان احمد میں مدفون ہیں۔

### ۱۷: مراد خان رابع (۱۶۱۲۔۱۶۴۰ء)

سلطان مراد خان رابع عثمانی سلاطین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ علوم وفنون میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ تیر اندازی اور گھڑ سواری میں بھی ماہر تھے۔ شاعر بھی تھے اور ”مرادیؔ“ تخلص کرتے تھے۔ طویل قامت اور نہایت قوی الجثہ تھے۔ جسامت کے اعتبار سے شاہی خاندان اور فوج میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ان کی یہی قوت ایک جنگ میں عثمانی لشکر کی فتح کا سبب بنی۔ یوں ہوا کہ ایک موقعے پر جنگ سے ذرا قبل دشمن فوج کے سپہ سالار نے اعلان کیا کہ پہلے ہمارے ایک پہلوان سے مقابلہ کرو، اس کے بعد جنگ شروع ہوگی۔ وہ پہلوان جب میدان میں آیا تو سب کے منھ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ یہ لحیم شحیم اور بھاری جسامت، اس کا تلوار چلانے کا انداز ہی اس کی دہشت بٹھانے کے لیے کافی تھا۔ کس میں ہمت تھی کہ اس کا سامنا کرتا۔ عثمانی لشکر کی قیادت مراد رابع کے ہاتھ میں تھی، چنانچہ سلطان مراد خود اس کے مقابلے کے لیے نکلے اور کچھ ہی دیر میں اس پہلوان کی کھوپڑی دو ٹکڑے کر دی۔ ان کی تربیت میں ان کی والدہ کوسم سلطان نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ ۱۶۲۳ء میں اپنے چچا مصطفیٰ خان کی معزولی کے بعد محض بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ ان کے عہدِ حکومت کے ابتدائی سال بہت تشویش ناک تھے۔ سرحد پر ایرانی فوج کو برتری حاصل تھی اور عثمانی لشکر پے در پے شکست کھا رہا تھا۔ ارضِ روم کے گورنر اباظا پاشا نے بغاوت

کر کے ایشیائے کوچک میں خود مختار حکومت قائم کرلی تھی۔ لبنان میں علانیہ بغاوت ہوگئی تھی اور مصر میں بھی بغاوت کی آوازیں اٹھنے لگی تھیں۔ الجزائر، تیونس اور طرابلس کے حاکم عثمانی سلطان کی اطاعت سے منحرف ہوکر یورپی ریاستوں سے معاہدے کر رہے تھے۔ ان سب مسائل کے ساتھ ساتھ ایک اور مصیبت یورپ اور یورپ سے ملحق عثمانی مقبوضات پر یہ آن پڑی تھی کہ روسی قذاق بڑی تعداد میں بحرِ اسود میں داخل ہوگئے تھے اور سمندر اور اس سے متّصل شہروں میں لوٹ مار کر رہے تھے، حتیٰ کہ ان کی لوٹ مار سے قسطنطنیہ بھی محفوظ نہیں تھا۔ ان سب مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت جس ادارے میں تھی یعنی فوج اور ینی چری کے دستے، وہ خود اس فتنے اور انتشار میں پیش پیش تھے۔ قومی خزانہ بالکل خالی ہوچکا تھا اور محصولات کی وصولی منقطع تھی۔ اسلحہ خانہ ہتھیاروں سے خالی تھا اور فوجی افسران کا اکثر وقت لہو و لعب میں گزرتا تھا۔ فوجی افسر دن بھر قہوہ خانوں میں بیٹھ کر تمباکو نوشی کرتے اور ریاست مخالف منصوبے تشکیل دیتے۔ حتیٰ کہ ایک موقعے پر کسی سبب سے آگ بھڑک اٹھی اور تمباکو کے ذخیرے نے آگ پکڑلی۔ آگ اتنی زیادہ پھیلی کہ ہزاروں گھر خاک ہوگئے۔ بلاشبہہ یہ زمانہ سلطنتِ عثمانیہ کے مشکل ترین ادوار میں سے ایک تھا اور اس پر طرّہ یہ کہ سلطنت کا حاکم بارہ سال کا ایک کم سن لڑکا تھا جسے ان سب مسائل کا سامنا کرنا تھا۔ ان حالات میں مراد خان رابع کی والدہ کوسم سلطان (جنھیں محل میں والدہ سلطان کہا جاتا تھا) مراد خان کی معاونت کے لیے میدانِ عمل میں اتر آئیں۔ انھوں نے جس حکمت اور تدبر سے امورِ سلطنت کو انجام دیا قابلِ تعریف ہے۔ انھوں نے کچھ معتمد وزرا کو حکومتی معاملات کی اصلاح کے لیے تیار کیا اور فوج کے کچھ عہدے دار بھی ان کے ہم نوا ہوگئے، اس طرح آہستہ آہستہ انھوں نے مل کر فوج کو قابو کرلیا۔

نو سال تک ریاستی معاملات والدہ سلطان کے زیرِ انتظام رہے۔ اس دوران شاہِ ایران نے عثمانی افواج کو بہت نقصان پہنچایا۔ والیٔ بغداد کو ایک غدار کوتوال بکیر آغا نے قتل کر کے بغداد پر قبضہ کیا اور پھر اسے شاہِ ایران کے حوالے کردیا۔ لیکن جب ایرانی افواج بغداد میں داخل ہوئیں تو شاہِ ایران عباس صفوی نے فوراً ہی بکیر آغا کو قتل کرادیا۔ ۱۶۲۸ء میں عباس صفوی کی موت پر اس کا لڑکا ایران کا حاکم ہوا، اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر خسرو پاشا نے ایران پر حملہ کردیا اور بہت سے شہر فتح کرتے ہوئے بغداد پہنچ کر محاصرہ کرلیا، لیکن یہاں

بھی ینی چری نے معمول کے مطابق ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور محاصرہ اٹھانا پڑا۔ ۱۶۳۲ء کے اوائل میں ینی چری کا ظلم اس قدر بڑھ گیا کہ ہر تھوڑے عرصے میں کوئی وزیر یا عہدے دار قتل ہونے لگا۔ وہ جسے چاہتے اسے قتل کروا دیتے، مطالبات تسلیم نہ کرنے پر سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتے اور قصرِ خلافت کا محاصرہ کر لیتے۔ جب ان کی یہ سرکشی اتنی بڑھ گئی کہ انھوں نے سلطان کے ایک مخلص وزیر حافظ پاشا کو بے بنیاد الزامات لگا کر سفاکی سے قتل کر دیا تو سلطان نے ایک بڑا فیصلہ کیا۔ سلطان کی جان کو بھی خطرات لاحق تھے اور سپاہی بارہا سلطان کے خلاف نعرے بازی کر چکے تھے۔ اب سلطان کے پاس دو راستے تھے: یا تو ینی چری کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر اپنے ساتھیوں کو مرتا ہوا دیکھے اور اپنی باری کا انتظار کرے یا باغیوں کو کچلنے کے لیے ایک زبردست مہم کا آغاز کر دے اور جو نتائج بھی ہوں ان کا سامنا کرے۔ بہادر سلطان نے اپنے اجداد کی پیروی کرتے ہوئے دوسرا راستہ اختیار کیا اور ان سپاہیوں کو جمع کیا جو اپنے ساتھی سپاہیوں کی بغاوت سے تنگ تھے۔ خفیہ طور پر راتوں رات باغیوں کے سربراہ اور سہولت کاروں کو قتل کرا دیا۔ پھر تو باغیوں کی لاشیں ملنا معمول بن گیا اور بڑے پیمانے پر خونریزی ہوئی۔ جس شخص کا باغیوں سے ادنیٰ سا تعلق بھی ثابت ہو جاتا اسے اگلی صبح نصیب نہ ہوتی۔ والدہ سلطان اب تک فوجیوں کو وعدے اور دلاسے دے کر اپنے اختیار میں کیے ہوئے تھیں، جب اس قتل و غارت کا حال انھیں معلوم ہوا تو سخت پریشان ہو گئیں اور مراد خان کو بلا کر اس منصوبے سے باز رہنے کی تلقین کرنے لگیں۔ ان کا کہنا تھا کہ سلطان کا یہ فعل برسوں کی محنت پر پانی پھیر دے گا اور فوج کا ردِ عمل پہلے سے زیادہ سخت ہوگا، لیکن سلطان نے والدہ کا مشورہ قبول نہیں کیا اور والدہ کو امورِ سلطنت سے دور رہنے کی تلقین کی۔ سلطنت میں والدہ سلطان کو نائب السلطان کا درجہ حاصل تھا، مراد خان نے یہ عہدہ ختم کر کے والدہ سے تمام اختیارات واپس لے لیے۔ مراد خان کے لیے کسی قاضی، گورنر یا فوجی افسر کو قتل کر دینا ایک چیونٹی کو مار دینے کے مترادف تھا۔ ذرا سی بات ہوتی اور قتل کا حکم صادر ہو جاتا، معمولی شبہے پر سر قلم کر دیا جاتا، یقیناً اس فعل سے بہت سے بے گناہ لوگ قتل ہوئے لیکن سلطنت میں ایک دم امن و امان اور استحکام نظر آنے لگا۔ ہر شعبہ صحیح خطوط پر کام کرنے لگا۔ مراد خان نے ۱۶۳۳ء میں ایشیائے کوچک

کے سفر کے دوران ایک قاضی کو قتل کرادیا جس پر قسطنطنیہ میں علما نے سخت احتجاج کیا۔ مراد خان سفر مکمل کیے بغیر قسطنطنیہ پہنچا اور آتے ہی مفتیِ اعظم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آلِ عثمان میں مفتیِ اعظم کے قتل کا یہ پہلا اور آخری واقعہ تھا۔ اس کے بعد کسی میں مراد خان کے خلاف احتجاج کی سکت باقی نہ رہی۔

مراد خان نے خود مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے ۱۶۳۵ء میں اریوان اور ۱۶۳۸ء میں بغداد فتح کیا۔ ۱۶۳۹ء میں سلطان قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔ سابقہ سلاطین بارہا اس طرح فاتحانہ طور پر قسطنطنیہ آتے رہے لیکن مراد خان کے بعد قسطنطنیہ کو یہ منظر دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ سلطان کے سخت فیصلوں نے صرف اندرونی مشکلات ہی نہیں، بہت سی بیرونی مشکلات کو بھی حل کر دیا اور بہت سی یورپی ریاستیں پھر سے عثمانی سلطان کے تابع ہوگئیں۔ محض اٹھائیس سال کی عمر میں ۱۶۴۰ء میں مراد انتقال کر گئے اور اپنے والد سلطان احمد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

## ۱۸: ابراہیم خان (۱۶۱۵-۱۶۴۸ء)

ابراہیم خان اپنے بھائی کی وفات پر ۱۶۴۰ء میں تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے محض آٹھ سال حکومت کی۔ ان کے دور میں ریاست کو بہت سے سرداروں کی طرف سے بغاوتوں اور سازشوں کا سامنا رہا اور مالی طور پر بھی بہت سی مشکلات حائل رہیں اور ان مشکلات کا ایک بڑا سبب سلطان ابراہیم خان کی ناتجربہ کاری تھا۔ اس کے باوجود دو معرکے ایسے ہوئے جن کی فتح سے دیگر ریاستوں پر عثمانی سلطان کا رعب اور بڑھ گیا۔

ازف شہر محلِ وقوع اور تجارت کے لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل تھا اور روسی اسے عثمانیوں سے چھین کر قبضے میں لے چکے تھے، ۱۶۴۲ء میں عثمانی لشکر نے اسے فتح کر لیا۔ دوسرا محاذ کریٹ کا تھا۔ مالٹا کے بحری قذاقوں نے عثمانیوں کے ایک تجارتی جہاز کو لوٹ کر کریٹ کی بندرگاہ پر لنگر انداز کرادیا، چنانچہ سلطان ابراہیم نے ایک لشکر کریٹ کی طرف روانہ کیا۔ عثمانیوں نے بہ آسانی 'کانیا' شہر فتح کر لیا اور اگلے سال ہی ایک اور شہر ریٹیو بھی ان کے قبضے میں آگیا۔ ان محاذوں پر کامیابی سے عثمانی سلطان کی سیاسی قوت میں بہت اضافہ ہوا۔

ریٹیو فتح ہونے کے بعد کریٹ کا محاصرہ شروع ہو گیا، لیکن اسی زمانے میں سلطنت کی مالی و عسکری صورتِ حال کی ابتری کے سبب سلطان ابراہیم کے خلاف ایک زبردست مہم شروع ہو گئی جس کے نتیجے سلطان کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔ ۱۶۴۸ء میں سلطان کی شہادت ہوئی اور آیا صوفیہ میں تدفین ہوئی۔

جاری ہے

## کتابیات

السلاطين العثمانيون، راشد كوندوغدو،الناشر:دار الرموز للنشر،إسطنبول،۲۰۱۸ء

آلبوم پادشاہانِ عثمانی، مترجم: میلاد سلمانی، ناشر: انتشاراتِ قَقْنُوس، استنبول، ۲۰۱۵ء

تاریخِ سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر محمد عزیر، ناشر: کتاب میلہ، ۲۰۱۸ء

سلطنتِ عثمانیہ، ڈاکٹر علی محمد الصلابی، مترجم: علامہ محمد ظفر اقبال، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، جون ۲۰۲۰ء

* * * * *

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

# بیت المقدس کا تاریخی خاکہ

## قسط نمبر ۲۲

بلادِ شام کا چوتھا اور جنوبی حصہ فلسطین ہے۔ فلسطین کی سرحدیں شمال میں لبنان اور سوریا سے ملتی ہیں۔ جنوب میں جمہوریہ مصر اور خلیجِ عقبہ ہے، مشرق میں اردن جبکہ اس کے مغرب میں بحرِ ابیض متوسط یا بحیرۂ روم (Mediterranean sea) واقع ہے۔ تاریخِ قبلِ مسیح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے کا ایک نام ارضِ کنعان بھی ہے۔ کنعان ایک عرب قبیلہ تھا جس نے سب سے پہلے اس علاقے کو آباد کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے دادا اور بنی اسرائیل کے جدِ امجد تھے، ارضِ عراق سے ہجرت کر کے شام میں تشریف فرما ہوئے اور آپ کی اولاد یہاں آباد ہوئی۔ تورات میں آپ علیہ السلام کی ہجرت کا واقعہ مذکور ہے۔

جنگِ عظیم اول کے دوران، برطانیہ نے صیہونیوں سے ایک خفیہ معاہدہ کر لیا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے حکومتِ برطانیہ نے صیہونیوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کے سلسلے میں ان کی بھرپور مدد کرے گی۔ برطانوی کابینہ میں اس معاہدے کے متعلق ایک یادداشت پیش کی گئی جسے صیہونی لیڈر روتھ شیلڈ اور حائم وائزمین (اسرائیل کے پہلا صدر) نے تیار کیا۔ برطانوی کابینہ میں ایک یہودی رکن ہربرٹ سیموئیل نے یہ یادداشت پیش کی۔ کابینہ میں اس یادداشت کی منظوری کو اس خفیہ معاہدے کی توثیق سمجھا جاتا ہے۔ برطانیہ کے فارن سیکٹری لارڈ بالفور نے کابینہ سے اس منظوری کی اطلاع

روتھ شیلڈ کو ایک خط میں دی۔ اس لیے یہ اعلان بالفور ڈیکلریشن کے نام سے مشہور ہوا۔

شام پر یورپی حملہ مارچ اور اپریل ۱۹۱۷ء میں ہوا تھا لیکن مسلمانوں کی طرف سے انھیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ۷ نومبر ۱۹۱۷ء کو غزہ فتح ہوا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے شہر فتح ہوتے رہے یہاں تک کہ ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس فتح ہوا، ترکی افواج شہر سے پسپا ہوگئیں اور ایڈمنسٹریٹر قدس حسین سلیم الحسینی اور مفتی قدس کامل الحسینی نے شہر انگریز کے حوالے کیا۔ ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین ایوبی نے جب بیت المقدس فتح کیا تو اس کے بعد پہلا موقع تھا کہ یہاں یورپی تسلط قائم ہوا۔ جنرل ایلن بی نے جب فلسطین پر قبضہ کیا تو اس نے یہاں فوجی حکومت قائم کی۔ جنرل گلبرٹ کلائٹون کو اس نے یہاں کی فوجی حکومت کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا جو اس سے پہلے مصر میں متعیّن تھا۔

۱۹۱۸ء میں حائم وائزمین کی قیادت میں صیہونی تنظیم کا ایک وفد (یہودی کونسل) لندن سے قدس پہنچا تاکہ بالفور ڈیکلریشن کی روشنی میں یہودی ریاست کے قیام میں قابض فوجی حکومت کی مدد کر سکے۔ ان کا یہ مطالبہ تھا کہ یہود کو فوجی حکومت میں شامل کیا جائے۔ یہ مطالبہ چونکہ فوجی حکومت کے قانون کے خلاف تھا اس لیے انھیں حکومت میں تو شامل نہیں کیا گیا البتہ مشاورت کے منصب پر رکھا گیا۔ قابض فوجی حکومت کے اصول و ضوابط پر مبنی ایک دستاویز (مینول آف ملٹری لا) مرتب کی گئی۔ اس ضابطے میں اگرچہ غیر یہود قوموں کے مذہبی و معاشی حقوق تسلیم کیے گئے لیکن فلسطین کی قابض حکومت کی ذمے داری یہ ظاہر کی گئی کہ وہ یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کے لیے کوشاں رہے گی، ہجرت میں ان کی مدد کرے گی اور مناسب قانون سازی کرے گی اور ان کے ساتھ یہ اتفاق ہوا کہ یہود کے لیے زمین فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی رہے گی تاکہ مسائل میں کمی ہو۔

انھوں نے عثمانی دور کی علاقائی تقسیم میں رد بدل کرتے ہوئے فلسطین کو پہلے تیرہ اور پھر دس اکائیوں میں تقسیم کیا۔ ان تمام ضلعوں یا صوبوں کے سربراہان برطانوی فوجی افسر تھے جن کو اختیارات دیے گئے تھے۔ ان کے ماتحت لوگوں میں وہ عرب بھی شامل کیے گئے جو عثمانیوں سے بغاوت کر کے جنرل ایلن بی کی

فوج میں شامل ہوئے تھے، لیکن یہ کسی بااختیار منصب پر نہ تھے۔ عسکری ادارے نے ان قوانین کی خلاف ورزی کی۔ عسکری حکومت نے پہلے تو عدالتی نظام کو کچھ عرصے کے لیے معطل کر دیا پھر انھوں نے عثمانی دور کے قوانین اور عدالتی طریقِ کار میں ردوبدل کر کے دوبارہ عدالتی نظام شروع کیا۔ اگرچہ عسکری حکومت میں امن وامان کا کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن ایک پھر بھی پولیس کا ایک محکمہ قائم کیا گیا، جس کی ابتدائی تعداد تو ایک ہزار افراد کے لگ بھگ تھی لیکن بتدریج اس میں اضافہ کیا جاتا رہا۔

مالی معاملات میں یہ طے کیا گیا کہ جو کرنسی پہلے یہاں تبادلے میں رائج تھی وہی چلتی رہے گی۔ یہاں کے ٹیکس اور محصولات قابض حکومت وصول کرے گی اور وہ رقم اسی طرح یہاں کے عوام پر خرچ کی جاتی رہے گی جیسے پچھلی حکومت خرچ کرتی تھی۔ لیکن جلد ہی ضابطے کی دوسری شق عمل سے باہر ہو گئی۔ تعلیمی میدان میں انھوں نے فلسطینی ادارے مجلس المعارف کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ ادارہ معارف قائم کیا جس کا ڈائریکٹر ایک برطانوی تھا۔

اسی سال یعنی ۱۹۱۸ء میں مسلم عیسائی ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں لایا گیا، جس میں فلسطین کے عیسائی اور مسلمان شامل تھے۔ ان کے مقاصد میں آزادی کی حمایت اور یہودی ہجرت وریاست اور بالفور ڈیکلریشن کی مخالفت شامل تھے۔ اسی تنظیم نے سال بھر بعد فلسطین عرب کانگریس کا روپ لیا۔ یہ رائے عامہ ہموار کرتی اور مظاہرے بھی کرتی۔ یہ اپنے سالانہ جلسے مختلف شہروں میں کرتی محمد عزت دروزہ، یوسف العیسی اور عارف الدجانی وغیرہ مختلف وقتوں میں اس کی صدارت پر فائز رہے۔ موسی الحسینی اور امین الحسینی بھی اس اجتماعیت میں شامل رہے۔

یہودی کونسل کے ابتدا میں تو سات ارکان تھے لیکن بتدریج ان میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۲۰ء میں ان کی تعداد ایک سو تک جا پہنچی۔ یہودیوں نے کونسل کے اراکین کے تعین کے لیے یہود کے درمیان انتخابات بھی کرائے تاکہ تمام یہودیوں کو کونسل کے ساتھ جوڑا جا سکے۔ اس سے ووٹر، امیدوار اور منتخب ارکان تمام کونسل کی لڑی میں پروئے گئے۔ اس کے ساتھ انھوں نے دوسرے شہروں مثلاً یافا، حیفہ، الخلیل،

صفد، طبریا وغیرہ میں اپنے نمائندے بھیجے۔ اس کے علاوہ انھوں نے قاہرہ، اسکندریہ اور پورٹ سعید وغیرہ میں بھی قونصلر سے مشابہ اپنے نمائندے متعیّن کیے۔ یافا کی بلدیہ نے داخلی طور عربی زبان کو لازمی زبان کی حیثیت دی تو یہودی کونسل نے اس کی مخالفت کی اور فلسطین کی فوجی حکومت نے اس قانون کو منسوخ کرادیا۔ انگریزی اور عبرانی کو لازمی زبانیں قرار دیا گیا، اخبارِ فلسطین کے نام سے روزنامہ جاری کیا گیا، یہ اخبار پروپیگنڈا کرتا کہ یہود؛ عرب سے الگ نہیں بلکہ نسلِ ابراہیمی کی وجہ سے مشترک ہیں، یہود کا یہاں رہنا کوئی قبضہ نہیں بلکہ آباد کاری ہے اور ان کے توسط سے یہ علاقے ترقی کریں گے اور یہودیوں کی ہجرت عربوں کے فائدے کا باعث ہے۔ بعض لوگ جو یہود و عرب میں افتراق پیدا کر رہے ہیں ان کے اپنے مفادات ہیں۔ یہودیوں نے ایسی کانفرنسوں کا اہتمام بھی کیا، جن میں وہ عیسائیت اور اسلام کا احترام اور ان کے ساتھ یہودیت کو تیسرے مذہب کے طور پر قبول کراتے اور بتاتے کہ عرب اور یہود میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔

۱۹۱۹ء میں پیرس امن کانفرس کا انعقاد ہوا۔ اس میں امریکہ کے صدر ولسن، برطانیہ کے وزیرِ اعظم لائیڈ جارج، فرانس کے وزیرِ اعظم جارج کلیمانسو، اور اٹلی کے وزیرِ اعظم اورلانڈو شامل ہوئے۔ اس کے علاوہ بھی کئی ملکوں نے اپنے نمائندے بھیجے تاکہ اپنے مفادات کا تحفظ کر سکیں۔ اس کانفرنس میں بہت سارے معاہدوں کی بنیاد رکھی گئی اور بہت سارے ملکوں کے حصے بخرے کیے گئے۔ صیہونیوں نے اپنا ایک وفد ہربرٹ سیموئیل کی قیادت میں یہاں روانہ کیا جس نے اپنا موقف یہاں تفصیل سے نہ صرف بیان کیا بلکہ اس کے لیے لابنگ بھی کی۔ انھوں نے تاریخی حقائق کو توڑ موڑ کر یہ ثابت کیا کہ فلسطین پر صرف یہودیوں کا حق ہے اور یہود پر ہونے والے (مزعومہ) مظالم کا ازالہ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ فلسطین میں یہودی ریاست قائم کر دی جائے۔

اس کانفرنس میں امیر فیصل نے بھی شرکت کی اور سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف، اتحادیوں کی مدد کا گویا ''واسطہ'' دے کر عرب علاقوں سے اتحادی افواج کے انخلا اور ان ملکوں کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ البتہ اس مطالبے میں فلسطین کا ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ کانفرنس کے بعد امریکہ، فرانس اور برطانیہ کے سربراہان کا ایک

خصوصی اجلاس ہوا۔ صدر ولسن کی رائے یہ تھی کہ ایک کمیشن فلسطین اور شام میں روانہ کیا جائے تا کہ وہاں کے لوگوں کی مرضی بھی سامنے لائی جا سکے۔ لائیڈ جارج اور جارج کلیمانسو نے اس بات سے اختلاف کیا اور اپنا کوئی نمائندہ اس مشن میں شامل نہیں کیا۔ صدر ولسن نے ہنری کنگ اور چارلس کرین کی قیادت میں ایک امریکی وفد بلادِ شام کی طرف روانہ کیا۔ یہ مشن، کنگ کرین کمیشن کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کمیشن نے فلسطین اور شام کا تفصیلی دورہ کیا کئی شہروں اور مختلف قومیتوں اور مذاہب کے سرکردہ لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ کنگ کرین مشن کی سفارشات ایک عرصہ تک صیغۂ راز میں رکھی گئیں، اور بالآخر ۱۹۲۲ء میں امریکی جرنل ''ایڈیٹر اینڈ پبلشر'' نے شائع کیں۔ کمیشن کی رپورٹ کے مطابق شام میں مسلمانوں کی آبادی تئیس لاکھ پینسٹھ ہزار، عیسائی پانچ لاکھ ستاسی ہزار جبکہ یہودی ایک لاکھ دس ہزار تھے۔ (یاد رہے کہ ۱۸۴۹ء کے عثمانی دفاتر کے مطابق یہاں صرف سترہ سو نوے یہودی آباد تھے)۔

اس کمیشن نے مختلف قسم کے سروے بھی کرائے۔ ان میں شام کے مستقبل کے حوالے سے بھی سروے تھا۔ فلسطین کو الگ ملک کے طور پر قائم رکھنے کے حق میں صرف ایک اعشاریہ ایک فی صد جب کہ فلسطین اور دوسرے علاقوں کو شام کے ساتھ متحد رکھنے کے حق میں اسی فی صد آرا سامنے آئیں۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام، یہاں کے رہنے والوں کے سماجی و شہری اور دینی حقوق پر ایک بڑا ڈاکا ہے۔ یہود یہاں سے غیر یہود کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں اور تمام غیر یہود عناصر یہودی ریاست کے قیام کے مخالف ہیں۔ یہاں کی اکثریت آزاد متحدہ شام کی حامی ہے۔ کمیشن نے قرار دیا کہ امن و امان کے ساتھ بالفور ڈیکلریشن کے مطابق یہودی ریاست کا قیام ممکن نہیں ہے لہٰذا یہودیوں کی فلسطین کی طرف ہجرت کو روکا جائے۔ کمیشن نے یہودی پروگرام اور یہودی ریاست کے قیام پر پابندی لگانے کی تجویز دی۔ کمیشن نے قرار دیا کہ خلافِ عدل و انصاف معاہدوں کی تنفیذ اور یہودی ریاست کے قیام کے لیے فوجوں کو استعمال کرنا کوئی دانش مندی نہیں ہے اور جو لوگ یہاں یہودی ریاست کے قیام کے حامی ہیں انھیں نتائج کا اندازہ نہیں ہے۔ دو ہزار سالہ پرانی روایات کی بنیاد پر یہود کا فلسطین پر دعوی لائقِ اعتنا نہیں ہے۔

جون ۱۹۱۹ء میں شامی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں تمام علاقوں کے نمائندگان نے شرکت کی، اس کانفرس میں اسی کے لگ بھگ نمائندوں نے شرکت کی جن میں محمد عزت دروزہ اور محمد فوزی عظیم کے علاوہ شامی علاقوں کے عثمانی نواب (ارکانِ پارلیمنٹ) شامل تھے۔ کانفرنس نے شام کی تقسیم، یہودی ریاست کے قیام، اور تمام خفیہ معاہدوں کی مذمت کی، انھوں شام کی متحدہ حیثیت کو بحال کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے صدر ولسن کی خدمت میں ایک یاداشت ارسال کی جس میں اپنے مطالبات خصوصًا اکثریتِ رائے کی بنیاد پر حکومت کے قیام کی رائے پیش کی۔ ایک آپشن کے طور پر انھوں نے امیر فیصل کو متحدہ شام کا حاکم تسلیم کرنے کا بھی عندیہ دیا۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں یہودیوں نے یافا میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں فلسطین کو یہود کا قومی وطن قرار دیا گیا اور اس کا نام اسرائیل تجویز کیا گیا۔ اور صیہونی جھنڈے کو اسرائیل کا قومی نشان قرار دیا گیا۔ اس کے جواب میں فلسطینیوں اور دوسرے عربوں نے قدس میں ایک کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں یہودی عزائم کی نفی کی گئی۔ کانفرنس نے مطالبہ کیا کہ فلسطین کو شام کا حصہ بنایا جائے اور سان پیکو معاہدے کی اس شق کو باطل قرار دیا جائے جو فرانس کو شام پر قبضے اور حکومت کا اختیار دیتی تھی۔ موتمر کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ وہ ہمارے ملکوں کے بارے میں جو فیصلے بھی اتحادیوں نے کیے ہیں، صدر ولسن کی رائے کے مطابق وہ باطل قرار دیے جائیں۔ کانفرنس نے اپنا ایک وفد شام روانہ کیا تا کہ وہاں اپنے موقف کی اشاعت کر سکے۔

دوسری طرف برطانیہ اور فرانس، شام کی تقسیم پر متفق و مُصِر تھے۔ انھوں نے کنگ کرین کمیشن کی سفارشات، شامی کانفرنس اور دیگر مواقف کو چنداں اہمیت نہ دی۔ ۱۹۲۰ء کے دوران انھوں نے، معاہدۂ پیرس میں یہودیوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے یہودی ریاست کے نقشے کے مطابق، بلادِ شام کی تقسیم اور مختلف ملکوں کے درمیان حدود بندی کی۔

فروری اور مارچ ۱۹۲۰ء میں برطانوی فرانسیسی گٹھ جوڑ کے خلاف شامی اور عربی اخبارات میں بہت کچھ لکھا گیا اور غم وغصے کے اظہار کے لیے جلوس نکالے گئے۔ اسی عرصے میں فلسطینی جوانوں کے دو مسلح گروہوں

نے شامی سرحد کے نزدیک ایک یہودی بستی پر حملہ کر دیا اور ایک اہم یہودی سردار ٹرامپ بلیدور سمیت چھے یہودیوں کو واصلِ جہنم کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی یہود مسلم جھڑپیں ہوئیں جن میں پانچ یہودی ہلاک جبکہ چار مسلمان شہید ہوئے۔ زخمیوں میں یہود کی تعداد دو سو تک پہنچ گئی تھی۔

اسی سال وائزمین نے برطانوی فوجی حکومت سے ساز باز کر کے دیوارِ براق (دیوارِ گریہ) تک پہنچنے کا ایک رستہ اسی ہزار پونڈ اسٹرلنگ میں خریدنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے اس پر سخت اعتراض کیا اور مفتی کامل الحسینی نے فتویٰ دیا کہ یہ علاقہ مسلمانوں کا وقف ہے جس کی قانوناً اور شرعاً خرید و فروخت نہیں ہو سکتی لیکن دھاندلی کرتے ہوئے یہ جگہ ان کو دے دی گئی۔ فلسطین میں برطانیہ کی فوجی حکومت جولائی ۱۹۲۰ء تک قائم رہی۔ اس کے بعد سول حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا تذکرہ آئندہ قسط میں کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

جاری ہے

## کتابیات

القدس و المسجد الأقصى عبر التاريخ، دكتور محمد علي البار

فلسطين في عهد الانتداب، دكتور أحمد طربين

تذكير النفس بحديث القدس، دكتور سيد حسين العفاني

* * * * *

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی، استاذ کمپیوٹر سائنس، ایم ٹی یو، آئرلینڈ

# کرپٹو کرنسی : وعدہ جو پورا نہیں ہوسکا

آج ایک دہائی سے زیادہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود بٹ کوائن اور دیگر کرپٹو کرنسیوں کو عالمی مالیاتی اداروں، اہم ترقی یافتہ ممالک کے سینٹرل بینک اور حکومتوں نے ایک کرنسی کے طور پر تسلیم نہیں کیا۔ یورپی یونین، جو کہ ستائیس ممالک کا مجموعہ ہے جن میں فرانس، جرمنی، آئرلینڈ، اٹلی، اسپین، ڈنمارک، سویڈن وغیرہ شامل ہیں، کی یورپین بینکنگ اتھارٹی/European Banking Authority (EBA) نے حال ہی میں یہ وارننگ جاری کی ہے کہ کرپٹو کرنسی انتہائی رسکی اور سٹے بازی یعنی قیاس آرائی پر مبنی ہے۔ یہ زیادہ تر ریٹیل صارفین کے لیے بطور سرمایہ کاری یا ادائی یا تبادلے کے لیے موزوں نہیں ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرپٹو کرنسی میں ایسی کیا خامیاں ہیں جن کی وجہ سے یورپی ممالک، عالمی معاشی ادارے، اور سینٹرل بینک اس کو تسلیم نہیں کرتے؟ جواب بہت ہی سادہ ہے۔ بٹ کوائن اپنے دعوے کے برعکس حقیقی طور پر عالمی معاشی اداروں اور حکومتوں کی اجارہ داری ختم نہیں کرتی بلکہ بٹ کوائن پر کچھ لوگوں کی اجارہ داری ہے اور محض چند شخص یا ادارے بٹ کوائن کی قیمت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور وہی اسے کنٹرول کرتے ہیں۔

بٹ کوائن کو اگر ہم تاریخی طور پر دیکھیں تو یکم نومبر سن ۲۰۰۸ء کو ساتوشی ناکاموٹو (ایک فرضی نام) نے کرپٹوگرافی میلنگ لسٹ پر ایک ای میل بھیجی جس میں اس نے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ ایک ایسے الیکٹرونکس کیش سسٹم پر کام کر رہا ہے جو کہ مکمل طور پر پی ٹو پی Peer-to-Peer (P2P) ہوگا اور جس میں کسی ٹرسٹڈ

تھرڈ پارٹی Trusted Third Party کا کوئی عمل دخل نہیں ہو گا یعنی بیچ میں کوئی ادارہ ملوث نہیں ہو گا۔ پھر سن ۲۰۰۹ء میں ساتوشی ناکاموٹو نے بٹ کوائن (Bitcoin(BTC نامی کرپٹو کرنسی Cryptocurrency کو مارکیٹ میں لانچ کر دیا۔ ساتوشی ناکاموٹو بٹ کوائن وائٹ پیپر میں دعویٰ کرتا ہے کہ بٹ کوائن ایک ایسی کرپٹو کرنسی ہے جو کہ ڈی سینٹرلائزڈ ہے اور اس کو کام کرنے کے لیے تھرڈ پارٹی کی ضرورت نہیں ہے یعنی کسی بینک یا کسی دوسرے فنانشل ادارے کی ضرورت نہیں ہے۔ بٹ کوائن کو مارکیٹ میں لانچ کرنے کے بعد پہلے کچھ سالوں کے اندر لوگوں نے زیادہ جوش و خروش نہیں دکھایا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ شروع کے پہلے سالوں میں بہت ہی کم ٹرانزیکشنز ہوئیں۔ پھر ایک جوئے کی ویب سائٹ ساتوشی ڈائس SatoshiDice لانچ کی گئی جس کے ذریعے لوگوں کو بٹ کوائن کے بارے میں مزید معلوم ہوا اور انھوں نے بڑھ چڑھ کر بٹ کوائن کو جوئے میں استعمال کرنا شروع کیا۔ ساتوشی ڈائس نامی ویب سائٹ نے لوگوں کو ان کی توقع سے زیادہ جوئے کی رقم لوٹائی جس کے اندر دس گنا، سو گنا اور ہزار گنا سے زیادہ نفع شامل تھا۔ مثلاً کسی نے پانچ بٹ کوائن اس ساتوشی ڈائس نامی ویب سائٹ پر جوئے میں لگائے یعنی ویب سائٹ پر دیے گئے ایڈریس پر بھیجے تو جوئے میں جیتنے کی صورت میں اس کو پچاس، پانچ سو، یا پانچ ہزار بٹ کوائن ملے۔ جون سن ۲۰۱۲ء کے اندر ایک ایسا وقت بھی آیا جب روزانہ کے حساب سے ساٹھ ہزار سے زیادہ ٹرانزیکشن ہوئیں اور ان کو بٹ کوائن کی بلاک چین کا حصہ بنایا گیا۔ بٹ کوائن کا اگر ہم اس دور میں جائزہ لیں تو زیادہ تر ٹرانزیکشن جوئے سے ہی متعلق تھیں اور بٹ کوائن کا وسیع استعمال جوئے کے اندر کیا گیا۔ اس کا لازمی نتیجہ نکلا کہ لوگوں نے عالمی سطح پر بٹ کوائن کے اندر زیادہ دلچسپی لینا شروع کی اور چونکہ بٹ کوائن کا کوڈ مفت میں ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے، اس وجہ سے لوگوں نے اس کوڈ کو لے کر اس کی بنیاد پر دیگر کرپٹو کرنسیوں کی بھی بنیاد رکھی۔

گو کہ بٹ کوائن ایجاد کرتے وقت یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ مکمل طور پر ڈی سینٹرلائزڈ Decentralized ہو گی اور حکومتوں اور عالمی معاشی اداروں کی اجارہ داری ختم کرے گی مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ سائنسی طور پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ بٹ کوائن اکانومی (معیشت) کو محض چند لوگ یا ادارے کنٹرول کرتے ہیں اور ان میں

اولین بٹ کوائن مائننگ پولزMining Poolsہیں۔ اگر یہ مائننگ پولز اکثریتی کمپیوٹیشن پاور حاصل کر لیتے ہیں اور اگر یہ آپس میں گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں تو ان کا بٹ کوائن پر مکمل قبضہ ہو گا۔ اگر ہم اگست ۲۰۲۲ء کے اعداد و شمار دیکھیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ پچپن فیصد سے زیادہ کمپیوٹیشن پاور صرف چھے مائننگ پولز کے قبضے میں تھی اور اگر ہم پچھلے ایک سال کے اعداد و شمار کا تجزیہ کریں تو پینسٹھ فیصد سے زیادہ کنٹرول چھے مائننگ پولز کا تھا۔ یہ واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ بہت ہی قلیل تعداد میں مائننگ پولز کا بٹ کوائن کی دولت اور پاور پر قبضہ ہے اور انھی مائننگ پولز کا اثر و رسوخ ہے اور وہی زیادہ تر بلاک کو بٹ کوائن بلاک چین کا حصہ بناتے ہیں۔

اسی طریقے سے کرپٹو کرنسی ایکسچینج/Cryptocurrency Marketplace or Exchange کا بھی بٹ کوائن کی طلب و رسد کو کنٹرول کر کے بٹ کوائن کی قیمت کو کنٹرول کرنے میں کافی کردار ہے۔ حال ہی میں سیل سِیَس نیٹ ورکCelsius Network جو کہ ایک پرائیوٹ کمپنی ہے، نے اپنے صارفین کے سترہ لاکھ اکاؤنٹس کو منجمد کر دیا۔ صرف اس عمل کی وجہ سے بٹ کوائن اور ایتھریم کی قیمتوں میں تقریبًا ساٹھ فیصد کمی دیکھی گئی۔ یہ کرپٹو کرنسی اور بٹ کوائن کے بنیادی اصولوں کی سراسر خلاف ورزی ہے اور یہ اُس دعوے کے بھی برعکس ہے جو کہ بٹ کوائن لانچ کرتے وقت کیا گیا تھا کہ کوئی ادارہ یا حکومت آپ کی کرنسی کو کنٹرول یا منجمد نہیں کر سکتا۔ نیز والٹ سروس پرووائیڈرز/Wallet Service Providers یعنی وہ ویب سائٹ جن پر آپ اپنے بٹ کوائن پرائیوٹ کیPrivate Keys رکھواتے ہیں، بھی بٹ کوائن کی قیمتوں پر اثرانداز ہوتے ہیں اور ان بٹ کوائن کو کنٹرول کرتے ہیں جو کہ آپ کی ملکیت میں ہیں۔

ایک حالیہ سائنسی تحقیق جو کہ ایک موقر سائنسی جریدے میں شائع ہوئی ہے میں ثابت کیا گیا ہے کہ اُن تمام بٹ کوائن میں سے جو کہ آج کل سرکولیشن میں ہیں ایک فیصد سے بھی کم یعنی ۰ء۰۱(0.01)فیصد ایڈریس ۵۸ء۲(58.2)[اردو املا میں اعشاریے کے لیے ہمزہ کی علامت استعمال ہوتی ہے(نائب مدیر، ماہ نامہ مفاہیم)] بٹ کوائن رکھتے ہیں۔ لہٰذا بٹ کوائن بھیPareto Distribution کی پیروی کرتا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ کسی بھی ملک کے معاشی نظام میں ۲۰ فیصد لوگ ۸۰ فیصد دولت کو کنٹرول کرتے ہیں اور

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مجموعی طور پر کرپٹو کرنسی اعداد و شمار کے مطابق اس سے بھی بری ہے۔ایک اور سائنسی تحقیق، جس کا حوالہ حالیہ نیویارک ٹائمز اخبار میں شائع ہوا ہے کے مطابق بٹ کوائن لانچ ہونے سے لے کر بٹ کوائن کی قیمت ایک امریکی ڈالر تک، یعنی تقریباً دو سال کا عرصہ، چونسٹھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے زیادہ تر بٹ کوائن کو مائن کیا۔یعنی شروع کے دو سالوں میں بٹ کوائن کی تمام دولت پر محض ان چونسٹھ لوگوں کا قبضہ تھا۔ یہ بھی بٹ کوائن کے اس دعوے اور سوچ کے بر عکس ہے جس کے اندر معیشت کی مساوی تقسیم کی بات کی گئی ہے۔ تھیوری کے طور پر تو بٹ کوائن مائننگ میں ہر کوئی حصہ لے سکتا ہے اور بٹ کوائن مائن کرنے کے نتیجے میں نئے بٹ کوائن کما سکتا ہے اور اس کو ٹرانزیکشن کی مد میں بھی نئے بٹ کوائن ملیں گے مگر چونکہ بٹ کوائن کا ہیش ریٹ Hash Rate اور مائننگ پولز کی اجارہ داری اتنی بڑھ گئی ہے لہذا ایک عام صارف کا کرپٹوگرافک پزل کا حل کرنا تقریباً ناممکن ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک عام آدمی بٹ کوائن کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتا اور نئے بلاک شامل کرنے میں اپنا کردار ادا نہیں کر سکتا۔

بٹ کوائن کی قیمتوں میں بہت زیادہ اتار چڑھاؤ اور سٹے بازی کی وجہ سے عالمی معاشی ماہرین کی یہ رائے ہے کہ نہ تو بٹ کوائن کرپٹو کرنسی کو بطورِ کرنسی اختیار کیا جانا چاہیے، نہ ہی یہ آلۂ مبادلہ Medium of Exchange کے طور پر استعمال ہو سکتی ہے اور نہ ہی یہ قیمت کو محفوظ کرنے Store of Value کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے۔اصل میں تو بٹ کوائن کی ذاتی قدر Intrinsic Value نہیں ہے اور کسی سافٹ ویئر کی طرح اس سے ذاتی انتفاع بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بٹ کوائن حسّی طور پر تو در کنار، ڈیجیٹل طور پر اپنا وجود نہیں رکھتی اور یہ محض ایک فرضی یا تصوراتی نمبر ہیں یا آسان الفاظ میں کھاتے کے اندر محض ایک نمبر کا اندراج ہے۔ مثلاً جب ایک شخص زید دوسرے شخص بکر کو بٹ کوائن بھیجتا ہے تو صرف کھاتے Ledger کے اندر اندراج ہو جاتا ہے اور حقیقی طور پر یا ڈیجیٹل طور پر بٹ کوائن دوسرے شخص بکر کو منتقل نہیں ہوتے۔ بٹ کوائن کی محض ملکیت ثابت کرنے کے لیے اور ایک شخص سے دوسرے شخص کو بٹ کوائن منتقل کرنے کے لیے ٹرانزیکشن کا اندراج کھاتے کے اندر کیا جاتا ہے۔ اور کوئی بھی شخص مکمل کھاتے کی چھان بین کر کے یہ فیصلہ

کر سکتا ہے کہ کتنے بٹ کوائن کس کی ملکیت میں ہیں اور یہ وہ باآسانی یوٹی ایکس اوUTXOاور ایس ٹی ایکس او STXOکی مدد سے کر سکتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ کرپٹو کرنسی کے پیچھے چونکہ حکومت نہیں ہوتی لہذا صارفین کو وفاقی محتسب یا بینکنگ کی سہولیات میسر نہیں آسکتیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی کرپٹو کرنسی میں سرمایہ کاری کرتا ہے تو وہ اپنے سرمائے کا کچھ حصہ یا سارا ہی سرمایہ ضائع کر دے گا۔ اسی طرح کرپٹو کرنسی صارفین کے پاس کوئی ادارہ یا حکومت بھی نہیں ہوگی کہ جس کے پاس جاکر اپنی شکایات کا ازالہ کر سکیں۔ یورپین بینکنگ اتھارٹی کے مطابق سوشل میڈیا پر بہت سارے لوگ کرپٹو کرنسی میں سرمایہ کاری کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں مگر ہمیں ان سے احتیاط برتنی چاہیے کیونکہ ان میں ان کے ذاتی معاشی فوائد چھپے ہوتے ہیں اور وہ کرپٹو کرنسی کی مارکیٹنگ کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طریقے سے کرپٹو کرنسی کی دنیا میں بہت زیادہ جعل سازی اور دھوکے بازی بھی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ آپ اپنی کرپٹو کرنسی خود بھی بنا سکتے ہیں اور اس وقت سترہ ہزار سے زیادہ کرپٹو کرنسیاں وجود میں آچکیں ہیں۔ سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ لوگ اپنے کالے دھن کو سفید کرنے کے لیے کرپٹو کرنسی کا استعمال کرتے ہیں اور کرپٹو کرنسی کو منی لانڈرنگ کے اندر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر Know Your Customer (KYC) بھی موجود نہیں ہوتا یعنی کرپٹو کرنسی استعمال کرنے والوں کو اس کو استعمال کرنے کے لیے کسی قسم کے ثبوت فراہم نہیں کرنے ہوتے کہ وہ واقعی وہی شخص ہے جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے۔

اگرچہ اس وقت عالمی مارکیٹ میں بٹ کوائن چار سو بلین امریکی ڈالر سے زیادہ کا مارکیٹ capital ہے اور بٹ کوائن اور ایتھریم دنیا کی دو بڑی کرپٹو کرنسیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جو فوائد اور دعوے بٹ کوائن اور کرپٹو کرنسی نے کیے تھے ان کو پورا کیا جاتا مگر اب بھی لوگ زیادہ تر کرپٹو کرنسی کا استعمال جوئے، سٹے بازی، اور سرمایہ کاری کے طور پر کر رہے ہیں۔ کرپٹو کرنسی عمومی طور پر اور بٹ کوائن خاص طور پر ایک امید لے کر آئی تھی کہ اس کے ذریعے سے لوگ پیسوں کی منتقلی کسی سینٹرل بینک اور کسی معاشی

ادارے کے بغیر کر سکیں گے اور اس نے موجودہ معاشی نظام کے متوازی ایک نئے نظام کی نوید سنائی تھی تاکہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام، مالیاتی اداروں کی اجارہ داری اور دولت کی مساوی تقسیم ممکن ہو سکے مگر سائنسی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور بٹ کوائن پر محض چند اداروں اور لوگوں کا قبضہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بٹ کوائن اور کرپٹو کرنسی نے جو دعویٰ کیا تھا کہ وہ عالمی معاشی نظام پر حکومتوں اور اداروں کی اجارہ داری ختم کرے گی اور کوئی شخص یا ادارہ یا کمپنی بٹ کوائن کی قیمت پر اثر انداز نہ ہو سکے گی، یہ دعویٰ درست ثابت نہیں ہوا اور اسی وجہ سے کرپٹو کرنسی اور بٹ کوائن کو حکومتیں اور عالمی معاشی ادارے تسلیم نہیں کرتے۔

*****

یسئلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

# عاشورا کے دن اہل و عیال پر وسعت

سوال: عاشورا کے دن اہل و عیال پر وسعت کے حوالے سے ایک روایت ملتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ حدیث درست ہے؟ اور اس کا مفہوم کیا ہے یعنی اس پر عمل کیسے کیا جائے؟

جواب: اس روایت کو علامہ ابنِ تیمیہ، علامہ ابنِ جوزی، حافظ عقیلی وغیرہم رحمہم اللہ نے موضوع قرار دیا ہے، لیکن واضح رہے کہ اس روایت کو موضوع کہنا صحیح نہیں کیونکہ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔ اگرچہ اکثر سندوں میں کوئی نہ کوئی راوی ضعیف ہے لیکن بعض طرق دیگر بعض کے مقابلے میں قوی ہیں۔ چنانچہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس روایت کو امام طبرانی نے کبیر میں اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے شعب الایمان میں هيصم بن شداخ عن الأعمش عن إبراهيم عن علقمة عن عبد الله کی سند سے نقل کیا ہے۔ اس روایت میں ہیصم ضعیف راوی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت دو طرق سے مروی ہے:

۱۔عن محمد بن إسماعيل الجعفري ثنا عبد الله بن سلمة الربعي عن محمد بن عبد الله بن عبد الرحمن بن صعصه عن أبيه عن أبي سعيد الخدري۔ اس سند کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے

اوسط میں ذکر کیا ہے اور یہ سند اسماعیل بن جعفری کی بنا پر ضعیف ہے کیونکہ اسماعیل بن جعفر منکر الحدیث ہیں۔

۲۔دوسری سند عن خالد بن خداش حدثنا عبد الله بن نافع حدثني أيوب بن سليمان بن ميناء عن رجل عن أبي سعيد الخدري۔ اس روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ یہ روایت ایک مجہول شخص کی بنا پر ضعیف ہے۔ امام ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا اگر اس روایت میں مبہم راوی نہ ہوتا تو اس کی سند جید ہوتی ہے۔ (مرعاة المفاتيح ،كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة،الفصل الثالث)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت عبد الله بن إبراهيم الغفاري حدثنا عبد الله بن أبي بكر ابن أخي محمد بن المنكدر عن محمد بن المنكدر عن جابر. اس سند کو بھی امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بہت ضعیف ہے کیونکہ اس روایت میں ایک سے زائد راوی ضعیف ہیں۔ بہر حال امام بیہقی رحمہ اللہ یہ ساری اسانید ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ اسانید اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ان کو قوت حاصل ہوجاتی ہے۔ (شعب الإيمان،كتاب الصيام،فصل يوم التاسع مع العاشر) یہ روایات اب تک مرفوعاً ذکر کی گئی ہیں اور مرفوع حدیث میں کوئی نہ کوئی راوی ضعیف تھا جبکہ اس روایت کی ایک سند اور بھی ہے جس کے اعتبار سے یہ روایت مرسل ہے مرفوع نہیں اور اس سند میں تمام راوی ثقہ ہیں۔

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ حدثنا محمد بن يعقوب حدثنا العباس بن محمد الدوري حدثنا شاذان أخبرنا جعفر الأحمر عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر قال كان يقال مَنْ وَسَّعَ عَلى عِيالِهِ يَومَ عَاشُوراءَ لَمْ يَزالوا في سِعَةٍ مِنْ رِزْقِهِمْ سَائِرَ سَنَتِهِمْ(شعب الإيمان، كتاب الصيام،فصل يوم التاسع مع العاشر)

ایک روایت امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے الاستذکار میں ذکر کی ہے جو کہ مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور اس سے صحابہ و تابعین کا اس حدیث پر عمل بھی ثابت ہوتا ہے۔ حدثنا أحمد بن قاسم ومحمد بن إبراهيم ومحمد بن حكم قالوا حدثنا محمد بن معاوية قال حدثنا الفضل بن الحباب قال حدثنا هشام بن عبد الملك الطيالسي قال حدثنا شعبة عن أبي الزبير عن جابر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: «مَنْ وَسَّعَ على نَفْسِه وأَهْلِه يومَ عاشوراءَ وَسَّعَ اللهُ عليه سائرَ سَنَتِه». قال جابرٌ: جَرَّبْناه فَوَجَدْناه كذلك. وقال أبو الزبير وقال شعبة مثله.

حدثنا قاسم بن أصبغ قال حدثنا أبو وضاح قال حدثنا أبو محمد العابد عن بهلول بن راشد عن الليث بن سعد عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب قال قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: مَنْ وَسَّعَ على أَهْلِه يومَ عاشوراءَ وَسَّعَ اللهُ عليه سائرَ السنة. قال يحيى بن سعيد جربنا ذلك فوجدناه حقّا.

وروى بن عيينة وإبراهيم عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر قال: مَنْ وَسَّعَ على أَهْلِه في عاشوراءَ وَسَّعَ اللهُ عليه سائرَ السنة. قال سفيان جربنا ذلك فوجدناه كذلك. (الاستذكار، كتاب الصيام، باب صيام يوم الفطر)

ابو زبیر جو کہ مدلس ہیں ان کی روایت عن سے ہو تو قابلِ قبول نہیں ہوتی، اسی وجہ سے سند اگرچہ صحیح ہے لیکن عن سے روایت ہونے کی بنا پر اس کو قبول نہیں کیا جاتا لیکن یہ دیگر گزشتہ روایات کے لیے تائید کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا مجموعی اعتبار سے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے کیونکہ محدثین کا اصول ہے: ایک حدیث ضعیف اگر کئی طرق سے مروی ہو اور بعض طرق دوسروں کے مقابلے میں قوی ہوں تو وہ حدیث حسن کے درجے کی شمار ہوتی ہے اور گزشتہ سطور میں خود امام بیہقی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے۔

الحديث الضعيف اذا تعددت طرقه ولو طريقاواحدة أخرىٰ ارتقى بمجموع ذلک إلی

درجة الحسن وكان محتجا به (إعلاء السنن ، جلد ١٩، ص ٧٨،بحث أنواع الحديث)

نیز یہ روایت فقہا کے درمیان معمول بہ ہے اور دیگر حضرات کے ہاں بھی اس روایت پر عمل ثابت ہے جیسا کہ ماقبل میں بیان ہوا۔ لہذا یہ حدیث قابلِ عمل ہے اور اس کو ضعیف یا موضوع کہہ کر نا قابلِ عمل قرار دینا درست نہیں۔ یہ روایت نبی اکرم ﷺ سے منقول عاشورا کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت سے متعارض نہیں کیونکہ اس روایت میں وسعت عام ہے جو گھر کا بڑا اپنے اہلِ خانہ پر وسعت کرتا ہے چاہے وہ کھانے میں پینے میں ہو یا پہننے اوڑھنے کے اعتبار سے ہو۔

أنه لا يقتصر فيه على التوسعة بنوع واحد بل يعمها في المآكل والملابس وغير ذلك، وأنه أحق من سائر المواسم بما يعمل فيها من التوسعات الغير المشروعة فيها كالأعياد ونحوها.(رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فرع يكره إعطاء سائل المسجد)

فتویٰ نمبر:۱۵۹۳

والله اعلم بالصواب

*****

# محرم الحرام ١٤٤٥ھ

ماہ نامہ مفاہیم کے قارئین کو

## نیا سال مبارک ہو

گزشتہ سال کوئی مصلحت رہی ہوگی
گزشتہ سال کے سکھ اب کے سال دے مولا

«اللَّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ
وَرِضْوَانٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَجَوَازٍ مِنَ الشَّيْطَانِ»